پس چہ باید کرد

مع

مُسافر

ترجمہ

رفیق خاور

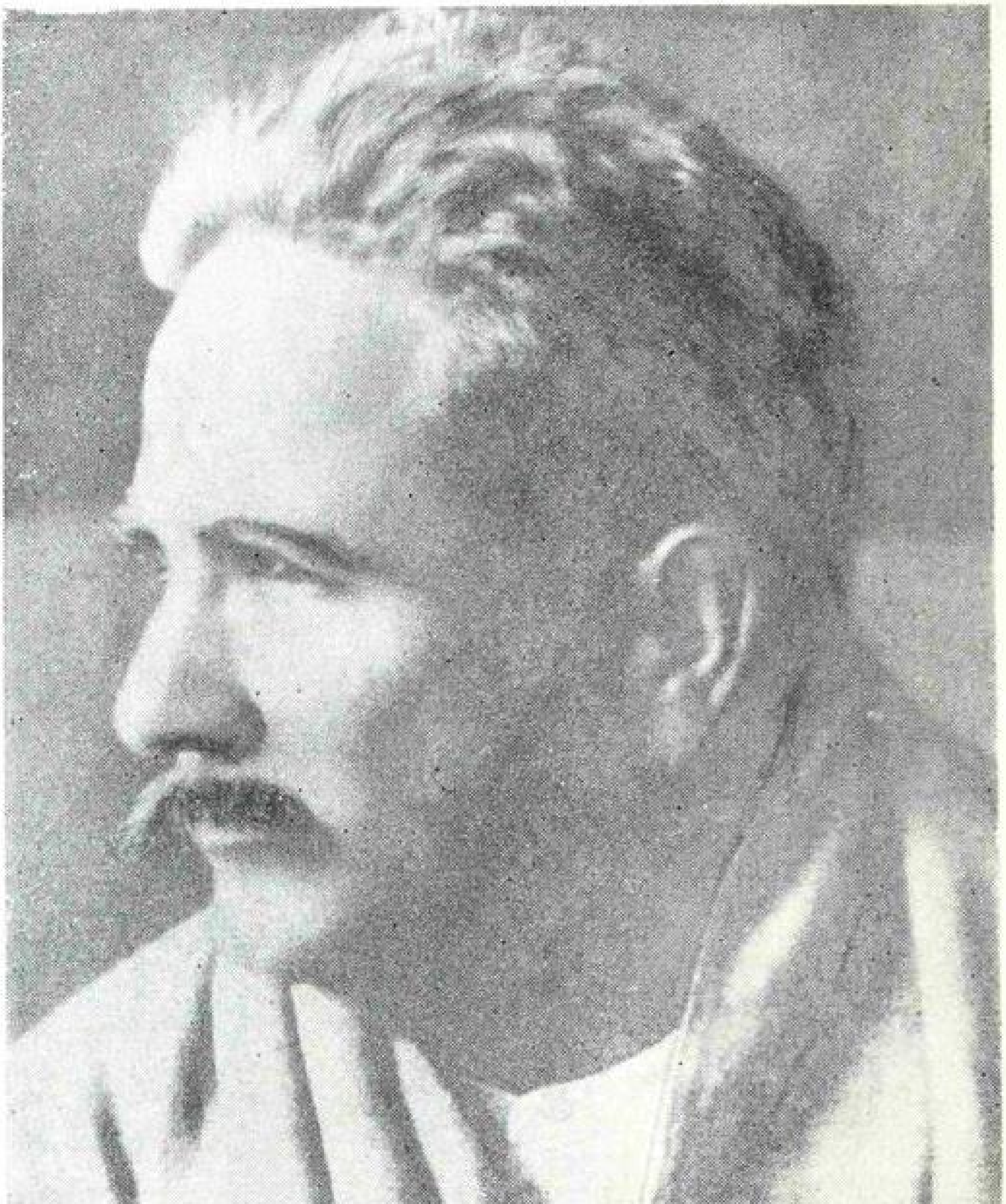

علّامہ محمّد اِقبالؒ

(۱۸۷۷ — ۱۹۳۸)

پس چہ باید کرد

مع

مُسافر

ترجمہ

رفیق خاور

اقبال اکادمی پاکستان

۹۰-بی-۲- گلبرگ ۳ ○ لاہور

۱۹۷۷ ۱۵۷۷-۱
۲۱۱۲
۱۰۹۹۲

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر : ڈاکٹر محمد معز الدین
ڈائریکٹر ، اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور

طابع : محمد حنیف

مطبع : ابراہیم سنز پرنٹرز ، اندرون یکی گیٹ ، لاہور

تعداد : 1100

طبع اوّل : 1977ء

فہرست مطالب

پیش لفظ	ا ـــــ ج
بخوانندۂ کتاب	۲ ـــ ۳
تمہید	۴ ـــ ۱۱
خطاب بہ مہر عالمتاب	۱۲ ـــ ۱۵
حکمت کلیمی	۱۶ ـــ ۲۳
حکمت فرعونی	۲۴ ـــ ۲۹
لاالہ الا اللہ	۳۰ ـــ ۳۹
فقر	۴۰ ـــ ۵۳
مرد حر	۵۴ ـــ ۶۱
در اسرار شریعت	۶۲ ـــ ۷۱
اشکے چند بر افتراق ہندیان	۷۲ ـــ ۷۷
سیاسیات حاضرہ	۷۸ ـــ ۸۵
حرفے چند با امت عربیہ	۸۶ ـــ ۹۳
پس چہ باید کرد اے اقوام شرق	۹۴ ـــ ۱۰۷
در حضور رسالت مآبﷺ	۱۰۸ ـــ ۱۲۱

بسم الله الرحمن الرحیم	۱۲۹ــ۱۲۴
خطاب به اقوام سرحد	۱۳۷ــ۱۳۰
مسافر وارد می شود به شهر کابل و حاضر می شود بحضور اعلی حضرت شهید	۱۴۵ــ۱۳۸
به مزار شهنشاه بابر خلد آشیانی	۱۴۷ــ۱۴۶
سفر به غزنی و زیارت مزار حکیم سنائی	۱۵۱ــ۱۴۸
روح حکیم سنائی از بهشت برین جواب می دهد	۱۵۷ــ۱۵۲
بر مزار سلطان محمود علیه الرحمه	۱۶۱ــ۱۵۸
مناجات مرد شوریده در ویرانهٔ غزنی	۱۶۷ــ۱۶۲
قندهار و زیارت خرقهٔ مبارک	۱۶ــ۹۱۶۸
غزل	۱۷۵ــ۱۷۰
بر مزار حضرت احمد شاه بابا علیه الرحمه موسس ملت افغانیه	۱۷۹ــ۱۷۶
خطاب به پادشاه اسلام اعلیحضرت ظاهر شاه	۱۹۵ــ۱۸۰

پیش لفظ

اقبال کی دلی خواہش تھی کہ ان کا نورِ بصیرت عام ہو جائے جس کے لیے وہ زندگی بھر کوشاں رہے۔ اور دوسرے بھی حتی الوسع اس جدوجہد میں شریک رہے۔ اس کی ایک صورت تراجم ہیں جو اقبال شناسی کا لازمی جزو ہیں۔ اور قارئین کو مصنف کے فکر و فن اور شخصیت سے قریب تر لانے میں مدد دیتے ہیں۔ مقام مسرت ہے کہ اقبال کی تمام تصانیف اردو میں منتقل ہو چکی ہیں اور صرف دو "مسافر" اور "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" باقی رہ گئی ہیں۔ میں خوش ہوں کہ یہ کام میرے ہاتھوں سرانجام پایا ہے اور پیشِ نظر تراجم سے سفرِ شوق کی آخری منزل بھی طے ہوگئی ہے:

وادیٔ عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

"جاوید نامہ" کے برعکس جس کی مخصوص نوعیت نسبتاً طویل اور کشادہ آہنگ کی متقاضی تھی، ان تراجم میں اصل کی چھ رکنی بحر ہی اختیار کی گئی ہے تاکہ اقبال کے اندازِ بیان اور لب و لہجہ سے قریب کا احساس نمایاں رہے۔

جہاں تک ان نظموں کے پس منظر اور فکر و فن کا تعلق ہے ان پر ایک مبسوط مقدمہ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس کو علیحدہ شائع کیا جا رہا ہے۔

یہ دونوں نظمیں، بالترتیب ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۶ء میں تصنیف ہوئیں۔ اور ہم وضع ہونے کی بنا پر شروع ہی سے یکجا شائع ہوتی رہیں۔ ان کی نوعیت اقبال کی دیگر تصانیف سے بالکل مختلف ہے۔ اگرچہ ان کے موضوعات یعنی دنیائے مشرق، خصوصاً عالم اسلام اور افغانستان کے مسائل اور مہات امور کی جھلکیاں دوسری تصانیف میں جابجا دکھائی دیتی ہیں لیکن یہاں ان کو مستقل موضوعات کے طور پر اختیار کر کے ان تدابیر کی بالتفصیل نشان دہی کی گئی ہے جن سے مشرق اپنے درجۂ اعتبار کو پھر حاصل کر کے بیش از بیش شاندار کردار ادا کر سکتا ہے۔

مرور زمانہ کے ساتھ مشرق کی سیاسی ہیئت بدل چکی ہے اور مسائل کی نوعیت میں بھی فرق آ گیا ہے لیکن مغرب اپنی غیرمعمولی مادی ترقیات اور حالات پر قائم شدہ گرفت کے باعث بدستور مشرق پر غالب ہے۔ اور دونوں میں کشمکش کا سلسلہ جاری ہے اس لیے اقبال نے جو حقائق و بصائر پیش کیے ہیں ان کی اہمیت اب بھی باقی ہے۔ اور ان دونوں منظومات کا مطالعہ اب بھی فکر و نظر کو جلا بخشتا ہے۔

اگر ان تراجم کے ساتھ "سرود رفتہ واپس" آ جائے اور اردو خواں حضرات کا سواد اعظم جو فارسی سے نا آشنا ہے ۔ اقبال کے سرمایۂ دانش و حکمت سے مستفیض ہو تو یہ میرے لیے دلی مسرت کا باعث ہوگا ۔

حدیثِ شوق پایانے ندارد ۔ اقبال کے سلسلہ میں یہ پیشکش حرف آخر نہیں ۔ بقول حافظ :

ناز بے خانہ وسے نام و نشاں خواہد بود
خانۂ من گروِ پیر مغاں خواہد بود

میں اپنے کرم فرما جناب منظور احسن عباسی صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کے قیمتی مشوروں نے ان تراجم کو جلا دینے میں میری بہت مدد کی ہے ۔ میں اقبال اکادمی کے ڈائرکٹر جناب ڈاکٹر محمد معزالدین کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے ان تراجم کے سلسلے میں مجھے ہر ممکن سہولت فراہم فرمائی ۔ ان دونوں اصحاب کی محبت اور رفاقت ہر مرحلے میں میرا قیمتی سرمایہ رہی ہے ۔

رفیق خاور
۳۲سی - پی ای سی ایچ سوسائٹی
کراچی

پس چه باید کرد

بخوانندهٔ کتاب

سپاهِ تازه بر انگیزم از ولایتِ عشق
که در حرم خطرے از بغاوتِ خرد است
زمانه ہیچ نداند حقیقتِ او را
جنوں قباست که موزوں بقامتِ خرد است
بآں مقام رسیدم چو در برش کردم
طوافِ بام و درِ من سعادت خرد است
گماں مبر که خرد را حساب و میزاں نیست
نگاہِ بندهٔ مومن قیامتِ خرد است

☆

سرِ راہ

دیارِ عشق سے تازہ سپاہ لایا ہوں
کہ ہے حرم کے لیے خطرۂ بغاوتِ عقل
زمانہ اس کی حقیقت سے بے خبر ہے ابھی
کہ ہے درست قبائے جنوں بقامتِ عقل
ملا ہے مجھ کو بہ فیضِ جنوں وہ رتبہ کہ ہے
طواف میرے در و بام کا سعادتِ عقل
رہے گی عقل بھی آخر نہ بے حساب و کتاب
نگاہ بندۂ مومن کی ہے قیامتِ عقل

☆

تمهید

پیرِ رومی مرشدِ روشن ضمیر
کاروانِ عشق و مستی را امیر

منزلش برتر ز ماه و آفتاب
خیمه را از کهکشان سازد طناب

نورِ قرآن درمیانِ سینه اش
جامِ جم شرمنده از آئینه اش

از نےِ آن نے نوازِ پاک زاد
باز شورے در نهادِ من فتاد

گفت جانها محرمِ اسرار شد
خاور از خوابِ گران بیدار شد

جذبه هائے تازه او را داده اند
بند هائے کهنه را بکشاده اند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

پیر رومی مرشدِ روشن ضمیر
کاروانِ عشق و مستی کا امیر

رتبے میں بالائے ماہ و آفتاب
کہکشاں ہے جس کے خیمے کی طناب

نورِ قرآں اس کے دل میں جلوہ کار
جامِ جم اس آئینہ سے شرمسار

نۓ نوازِ پاک زاد، اس کی نوا
یوں ہوئی سینے میں پھر ہنگامہ زا

دل ہوئے دانائے اسرارِ نہاں
دورِ مشرق کا ہوا خوابِ گراں

ولولے تازہ حیات افزا ہوئے
بندہائے کہنہ ہیں وا ہو گئے

جز تو اے دانائے اسرارِ فرنگ
کس نکو ننشست در نارِ فرنگ

باش مانندِ خلیل اللہ مست
ہر کہن بت خانہ را باید شکست

اُمتان را زندگی جذب دروں
کم نظر ایں جذب را گوید جنوں

ہیچ قومے زیرِ چرخ لاجورد
بے جنونِ ذو فنوں کارے نکرد

مومن از عزم و توکل قاہر است
گر ندارد ایں دو جوہر کافر است

خیر را او باز میداند ز شر
از نگاہش عالمے زیر و زبر

کوہسار از ضربتِ او ریز ریز
در گریبانش ہزاراں رستخیز

تا مے از میخانۂ من خوردۂ
کہنگی را از تماشا بردۂ

در چمن زی مثلِ بو مستور و فاش
درمیانِ رنگ پاک از رنگ باش

عصرِ تو از رمز جاں آگاہ نیست
دینِ او جز حبِ غیر اللہ نیست

فلسفی ایں رمز کم فہمیدہ است
فکر او بر آب و گل پیچیدہ است

جز ترے دانائے اسرارِ فرنگ
کون جانے آگ میں جینے کا ڈھنگ

حق سے رشتہ مثلِ ابراہیم جوڑ
سب پرانے بتکدوں کو توڑ پھوڑ

زندگی اقوام کی جذبِ دروں
کم نظر اس کو سمجھتے ہیں جنوں

کوئی ملت زیرِ چرخِ زر نگار
بے جنوں ممکن نہیں ہو کامگار

جوہر عزم و توکل قاہری
دونوں کا فقدان عینِ کافری

اہل ایماں راز دانِ خیر و شر
اُن کی نظروں سے جہاں زیر و زبر

کوہ بھی ضربِ گراں سے چور چور
ان کے سینوں میں نہاں شورِ نشور

میری سے نے دی تجھے وہ تازگی
دور نظروں سے ہوئی ہے کہنگی

باغ میں پیدا و پنہاں مثلِ بو
رنگ میں رہ رنگ سے آزاد تو

رمز جاں سے تیرا دور آگہ نہیں
اُس کا دیں جز حبِ غیر اللہ نہیں!

فلسفی اس رمز سے ہے بیخبر
آب و گل پر ہے فقط اُس کی نظر

معنیٔ دین و سیاست باز گوئے
اہلِ حق را زیں دو حکمت باز گوئے

'غم خورو نانِ غم افزایاں مخور
ز آنکہ عاقل غم خورد کودک شکر' (روسی)

خرقہ خود بار است بردوش فقیر
چوں صبا جز بوئے گل ساماں مگیر

قلزمی؟ بادشت و در پیہم ستیز
شبنمی؟ خود را بہ گلبرگے بریز

☆

سرِّ حق بر مردِ حق پوشیدہ نیست
روحِ مومن ہیچ میدانی کہ چیست

قطرۂ شبنم کہ از ذوقِ نمود
عقدۂ خود را بدستِ خود کشود

از خودی اندر ضمیرِ خود نشست
رختِ خویش از خلوتِ افلاک بست

رخ سوئے دریائے بے پایاں نکرد
خویشتن را در صدف پنہاں نکرد

اندر آغوشِ سحر ایک دم تپید
تا بکامِ غنچۂ نورس چکید

معنیٔ دین و سیاست دے بتا
اہلِ حق ہوں جس سے حکمت آشنا

’غم کا کیا ہے، نانِ غم افزا سے ڈر
اہلِ دانش کھائیں غم، بچے شکر‘ (رومی)

خرقہ بھی بارِ گراں جانے فقیر
ہے صبا جز بو کہاں ساماں پذیر

”گر ہے قلزم، دشت و در سے جنگ کر
گر ہے شبنم، گل کی پتی پر اُتر“

☆

مردِ حق پر رازِ حق پنہاں نہیں
روحِ مومن کیا ہے اعجاز مبیں

قطرۂ شبنم ہمہ ذوقِ نمود
اُس نے خود کی اپنے عقدے کی کشود

تھا خودی سے اپنے اندر جاگزیں
ترک کر کے خلوتِ چرخِ بریں

رخ نہ سوئے بحرِ بے پایاں کیا
اور نہ خود کو سیپی میں پنہاں کیا

ہاں مچل کر صبح کی آغوش سے
آیا لب پر غنچۂ نو رستہ کے

خطاب به مهرِ عالمتاب

اے امیرِ خاور اے مہرِ منیر
می کنی ہر ذرہ را روشن ضمیر

از تو این سوز و سرور اندر وجود
از تو ہر پوشیدہ را ذوقِ نمود

می رود روشن تر از دستِ کلیم
زورق زرینِ تو در جوئے سیم

پرتوِ تو ماہ را مہتاب داد
لعل را اندر دلِ سنگ آب داد

لالہ را سوزِ درون از فیضِ تست
در رگِ او موج خون از فیضِ تست

نرگسان صد پردہ را بر می درد
تا نصیبے از شعاعِ تو برد

خوش بیا صبح مراد آوردۂ
ہر شجر را نخل سینا کردۂ

تو فروغ صبح و من پایان روز
در ضمیرِ من چراغے بر فروز

مہرِ عالمتاب سے خطاب

اے امیرِ خاور ، اے مہرِ منیر
تجھ سے ہر ذرہ ہوا روشن ضمیر

تجھ سے موجودات کو سوز و سرور
تجھ سے ہر مستور کو ذوقِ ظہور ۴۰

ہے یدِ بیضا سے بھی تابندہ تر
جوئے سیمیں میں تری کشتیٔ زر

تیرا پرتو چاند کو دے چاندنی
لعل کو پتھر کے دل میں روشنی

تیرے دم سے لالہ کا سوز دروں
اس کی رگ رگ میں تجھی سے موج خوں

نرگسیں صد چاک جب پردے کریں
تب شعاعیں تیری ہاتھ ان کو لگیں

مرحبا ، لا کر مرادوں کی سحر
نخل سینا کر دیا ہر اک شجر

تو فروغِ صبح ، میں پایانِ روز
دے مرے سینے کو شمعِ جاں فروز

تیره خاکم را سراپا نور کن
در تجلی ہائے خود مستور کن

تا بروز آرم شبِ افکارِ شرق
بر فروزم سینۂ احرار شرق

از نوائے پختہ سازم خام را
گردشِ دیگر دہم ایام را

فکرِ شرق آزاد گردد از فرنگ
از سرودِ من بگیرد آب و رنگ

زندگی از گرمیٔ ذکر است و بس
حریت از عفتِ فکر است و بس

چون شود اندیشۂ قومے خراب
ناسرہ گردد بدستش سیمِ ناب

میرد اندر سینہ اش قلبِ سلیم
در نگاہِ او کج آید مستقیم

برکران از حرب و ضرب کائنات
چشم او اندر سکون بیند حیات

موج از دریاش کم گردد بلند
گوہرِ او چون خزف نا ارجمند

پس نخستیں بایدش تطہیرِ فکر
بعد ازاں آساں شود تعمیر فکر

☆

میری مٹی کو سراپا نور کر
اپنے جلووں سے اُسے معمور کر

روزِ روشن ہو شبِ افکارِ شرق
ہو فروزاں سینۂ احرارِ شرق

نغمگی سے پختہ کر دوں خام کو
طرحِ نو بخشوں دلِ ایام کو

فکرِ شرق آزاد آثارِ فرنگ
پائے میری نغمگی سے آب و رنگ

زندگی ہے گرمیٔ ذکر اور بس
حریت ہے پاکیٔ فکر اور بس

ہو اگر اندیشۂ ملت خراب
ہو مسِ خام اس کے ہاتھوں سیمِ ناب

سینے میں بے جان ہو قلبِ سلیم
کج، نظر آئے سراسر مستقیم

بے نیاز حرب و ضربِ کائنات
پائیں آسائش میں دل لطفِ حیات

اُس کے دریا میں نہیں موج بلند
اُس کے دُر مثلِ خزف نا ارجمند

پہلے لازم فکر کی تطہیر ہے
بعد ازاں تعمیر ہی تعمیر ہے

☆

حکمتِ کلیمی

تا نبوت حکمِ حق جاری کند
پشتِ پا بر حکم سلطاں می زند

در نگاہش فقر سلطاں کہنہ دیر
غیرت او بر نتابد حکمِ غیر

پختہ سازد صحبتش ہر خام را
تازہ غوغائے دہد ایام را

درس او اللہ بس باقی ہوس
تا نیفتد مرد حق در بندِ کس

از نمِ او آتش اندر شاخِ تاک
در کفِ خاک از دم او جانِ پاک

معنیٔ جبریل و قرآن است او
فطرة اللہ را نگہبان است او

حکمتش برتر ز عقل ذو فنون
از ضمیرش امتے آید بروں

حکمرانے بے نیاز از تخت و تاج
بے کلاہ و بے سپاہ و بے خراج

حکمتِ کلیمی

حکمِ حق کرنے کو نافذ برملا
حکمِ شہ دیتے ہیں ٹھکرا انبیا

اُن کے آگے قصرِ شہ پارینہ دیر
اُن کی غیرت کے منافی حکمِ غیر

پختہ کرتی ہے نبوت خام کو
تازہ شورش دیتی ہے ایام کو

اس کا درس اللہ بس باقی ہوس
اہل حق پر تا نہ ہو اوروں کا بس

اُس کے نم سے آگ شاخِ تاک میں
اس کے دم سے جان مشت خاک میں

معنیٔ جبریل و قرآن ہے وہی
فطرت اللہ کا نگہبان ہے وہی

عقل ہر فن سے فزوں حکمت شعار
اُس کے دم سے ملتِ حق آشکار

حکمران بے نیاز تخت و تاج
بے کلاہ و بے سپاہ و بے خراج

از نگاهش فرو دین خیزد ز ذے
دردِ بر خم تلخ تر گردد ز مے

اندر آه صبحگاه او حیات
تازه از صبح نمودش کائنات

بحر و بر از زورِ طوفانش خراب
در نگاهِ او پیامِ انقلاب

درسِ لا خوفٌ علیهِمْ می دهد
تا دلے در سینهٔ آدم نهد

عزم و تسلیم و رضا آموزدش
در جهان مثلِ چراغ افروزدش

من نمی دانم چه افسون می کند
روح را در تن دگرگوں می کند

صحبت او هر خزف را در کند
حکمت او هر تهی را پر کند

بندۂ درمانده را گوید که خیز
هر کهن معبود را کن ریز ریز

مردِ حق! افسون این دیرِ کهن
از دو حرفِ رَبِّیَ الاَعلیٰ شکن

فقر خواهی از تهیدستی منال
عافیت در حال و نے در جاه و مال

صدق و اخلاص و نیاز و سوز و درد
نے زر و سیم و قماشِ سرخ و زرد

دے خزاں کو بھی بہار اُس کی نظر
دُرد اس کے خُم کی مے سے تیز تر

اُس کی آہِ صبحگاہی میں حیات
اُس کے جلووں سے ہے تازہ کائنات

اس کے طوفاں سے ہیں بحر و بر خراب
اُس کی نظروں میں پیامِ انقلاب

درس لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ مستقل
سینۂ آدم میں تا جاگ اُٹھے دل

اُس کا درس عزم و تسلیم و رضا
دل کو یوں روشن کرے جیسے دیا

کیا بتاؤں وہ کرے کیسا فسوں
روح بول اُٹھے کہ "میں کچھ اور ہوں"

اُس کی صحبت ہر خزف کو دُر کرے
اُس کی حکمت ہر تہی کو پُر کرے

بندۂ درماندہ با شورِ نشور
کر دے اصنامِ کہن کو چُور چُور

مردِ حق دیرِ کہن کے شعبدے
رَبِّیَ الْاَعْلٰی کی زد سے توڑ دے

فقر میں فکر تہی دستی نہ کر
حال ہے وجہِ سکوں نے مال و زر

صدق و اخلاص و نیاز و سوز و درد
یا زر و سیم و قماشِ سرخ و زرد؟

بگذر از کاؤس و کے اے زندہ مرد
طوفِ خود کن گردِ ایوانے مگرد

از مقامِ خویش دور افتادۂ
کرگسی کم کن کہ شاہیں زادۂ

مرغک اندر شاخسارِ بوستاں
بر مرادِ خویش بندد آشیاں

تو کہ داری فکرتِ گردوں مسیر
خویش را از مرغکے کمتر مگیر

دیگر ایں نہ آسماں تعمیر کن
بر مرادِ خود جہاں تعمیر کن

چوں فنا اندر رضائے حق شود
بندۂ مومن قضائے حق شود

چار سوئے با فضائے نیلگوں
از ضمیرِ پاکِ او آید بروں

در رضائے حق فنا شو چوں سلف
گوہرِ خود را بروں آر از صدف

در ظلامِ ایں جہانِ سنگ و خشت
چشمِ خود روشن کن از نورِ سرشت

تا نہ گیری از جلالِ حق نصیب
ہم نیابی از جمالِ حق نصیب

ابتدائے عشق و مستی قاہری است
انتہائے عشق و مستی دلبری است

چھوڑ یہ کاؤس و کےَ اے مردِ راہ
کر طوافِ خود نہ طوفِ قصرِ شاہ

اپنے منصب سے تو دور افتادہ ہے
کرگسی کیسی؟ تو شاہیں زادہ ہے

شاخوں پر باندھیں طیور گلستان
اپنی مرضی کے مطابق آشیاں

فکر کی تیرے ہے گردوں تک اُڑان
خود کو مرغانِ چمن سے کم نہ جان

از سرِ نو آسماں تعمیر کر
اپنی مرضی سے جہاں تعمیر کر

جب وہ سر تا پا رضائے حق بنے
بندۂ مومن قضائے حق بنے

یک جہاں آراستہ افلاک سے
ہو عیاں اس کے ضمیرِ پاک سے

گم رضائے حق میں ہو مثلِ سلف
تاکہ ہو گوہر نما تیرا صدف

تیرہ گوں ہے یہ جہان سنگ و خشت
دے نگاہوں کو جلا نور سرشت

گر تجھے حاصل جلالِ حق نہیں
بہرہ اندوزِ جمالِ حق نہیں

ابتدائے عشق و مستی قاہری
انتہائے عشق و مستی دلبری

مرد مومن از کمالات وجود
او وجود و غیرِ او ہر شے نمود

گر بگیرد سوز و تاب از لاَ الہ
جز بکامِ او نہ گردد مہر و مہ

☆

مردِ مومن سے ہے تکمیلِ وجود
ہے وہی موجود باقی سب نمود

تاب دے گر اس کو سوزِ لا الہٰ
تابعِ فرماں ہوں اُس کے مہر و مہ

☆

حکمتِ فرعونی

حکمت ارباب دیں کردم عیاں
حکمتِ اربابِ کیں را ہم بداں

حکمت ارباب کیں مکر است و فن
مکر و فن؟ تخریبِ جاں تعمیرِ تن!

حکمتے از بندِ دیں آزادۂ
از مقامِ شوق دور افتادۂ

مکتب از تدبیر او گیرد نظام
تا بکامِ خواجہ اندیشد غلام

شیخِ ملت با حدیثِ دلنشیں
بر مرادِ او کند تجدیدِ دیں

از دمِ او وحدت قومے دو نیم
کس حریفش نیست جز چوبِ کلیم

وائے قومے کشتۂ تدبیرِ غیر
کارِ او تخریبِ خود تعمیرِ غیر

می شود در علم و فن صاحب نظر
از وجودِ خود نگردد باخبر

حکمتِ فرعونی

یہ تھی شرحِ حکمتِ اربابِ دیں
اب سنو طور و طریقِ اہلِ کیں

حکمتِ اربابِ کیں ہے مکر و فن
مکر و فن؟ تخریبِ جاں، تعمیرِ تن!

دیں کی پابندی سے بیگانہ کرے
دور سر تا سر مقامِ شوق سے

اُس کی تدبیروں سے مکتب کا نظام
تا کہ بہرِ خواجہ سوچیں سب غلام

شیخِ ملّت با حدیثِ دلنشیں
اُس کی خاطر درپئے تجدیدِ دیں

اُس کے باعث وحدتِ ملّی دو نیم
کیا علاج اس کا بجز چوبِ کلیم؟

وائے ملّت کشتۂ تدبیرِ غیر
جس سے ہو تخریبِ خود، تعمیرِ غیر

علم و حکمت میں ہو گو صاحب نظر
اپنی ہستی کی نہیں اُس کو خبر

نقشِ حق را از نگینِ خود سترد
در ضمیرش آرزوہا زاد و مُرد

بے نصیب آمد ز اولادِ غیور
جاں بہ تن چو مردۂ در خاکِ گور

از حیا بیگانہ پیرانِ کہن
نوجواناں چوں زناں مشغولِ تن

در دلِ شاں آرزوہا بے ثبات
مردہ زایند از بطونِ اُمّہات

دخترانِ او بزلفِ خود اسیر
شوخ چشم و خودنما و خردہ گیر

ساختہ ، پرداختہ ، دل باختہ
ابروانِ مثلِ دو تیغِ آختہ

ساعدِ سیمینِ شاں عیشِ نظر
سینۂ ماہی بموج اندر نگر

ملتے خاکسترِ او بے شرر
صبحِ او از شامِ او تاریک تر

ہر زماں اندر تلاشِ ساز و برگ
کارِ او فکرِ معاش و ترسِ مرگ

منعمانِ او بخیل و عیش دوست
غافل از مغزاند و اندر بندِ پوست

قوتِ فرماں روا معبودِ او
در زیانِ دین و ایماں سودِ او

نقشِ حق سے ہے تہی اُس کا نگیں
دل میں اُٹھیں آرزوئیں ، مٹ گئیں

یک قلم محرومِ اولادِ غیور
جاں بدن میں صورتِ اہلِ قبور

ہیں حیا بیگانہ پیرانِ کہن
نوجواں مثلِ زناں مشغولِ تن

اُن کے دل کی آرزوئیں بے ثبات
مردہ بچوں کو جنم دیں اُمّہات

لڑکیاں اپنی ہی زلفوں کی اسیر
شوخ چشم و خود نما و خردہ گیر

ساختہ ، پرداختہ ، دل باختہ
اُن کے ابرو مثلِ تیغِ آختہ

ساعدِ سیمیں ہے سر تا پا فسوں
جس طرح دریا میں ماہی سیمگوں

ایک ملّت ، راکھ جس کی بے شرر
شام سے تاریک تر اُس کی سحر

ہر نفس محوِ تلاشِ ساز و برگ
ہر گھڑی فکرِ معاش و ترسِ مرگ

اغنیا اُس کے بخیل و عیش دوست
مغز سے غافل ، اسیرِ بندِ پوست

قوّتِ فرماں روا معبود ہے
دین و ایماں کے زیاں میں سود ہے

از حدِ امروزِ خود بیرون نجست
روزگارش نقشِ یک فردا نه بست

از نیاگان دفترے اندر بغل
الاماں از گفته هاے بے عمل !

دینِ او عهدِ وفا بستن بغیر
یعنی از خشتِ حرم تعمیرِ دیر

آه قومے دل ز حق پرداخته
مُرد و مرگِ خویش را نشناخته

☆

کاوشِ امروز میں کھوئی ہوئی
کب خیالِ حسنِ فردا کر سکی

یک جہاں درسِ بزرگاں در بغل
الاماں گفتار ہائے بے عمل!

اُس کا دیں عہدِ وفاداریٔ غیر
یعنی خشتِ کعبہ سے تعمیرِ دیر

ہائے ملّتِ حق سے جو غافل رہی
مر کے بھی مرنے سے ہے نا آگہی!

☆

لَآ اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہ

نکتہ‌ٔ می گویم از مردانِ حال
اُمّتان را لا جلال اِلاَّ جمال

لاَ و اِلاَّ احتسابِ کائنات
لا و اِلاَّ فتحِ بابِ کائنات

ہر دو تقدیرِ جہانِ کاف و نون
حرکت از لا زاید ، از اِلاَّ سکون

تا نہ رمزِ لاَ الٰہ آید بدست
بندِ غیراللّٰہ را نتوان شکست

در جہان آغازِ کار از حرفِ لا ست
این نخستین منزلِ مردِ خدا ست

ملّتے کز سوزِ او یک دم تپید
از گِلِ خود خویش را باز آفرید

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

اب سنو دربارۂ مردانِ حال
آستوں میں لا جلال الّا جمال

لا و الّا احتسابِ کائنات
لا و الّا فتحِ بابِ کائنات

ہر دو تقدیرِ جہانِ کاف و نون
لا سے حرکت اور الّا سے سکون

جس نے سرِّ لا الٰہ سمجھا نہیں
اُس کو غیر اللہ سے چھٹکارا نہیں

ابتدائے کار میں ہے حرفِ لا
یہ ہے پہلی منزلِ راہِ خدا

سوزِ لا پائے جو ملّت کوئی دم
خاک سے اپنی وہ لے تازہ جنم

پیشِ غیراللہ لا گفتن حیات
تازہ از ہنگامہٴ او کائنات

از جنونش ہر گریباں چاک نیست
درخورِ ایں شعلہ ہر خاشاک نیست

جذبہٴ او در دل یک زندہ مرد
می کند صدرہ نشیں را رہ نورد

بندہ را با خواجہ خواہی در ستیز؟
تخمِ لَا در مشتِ خاکِ او بریز

ہر کرا ایں سوز باشد در جگر
ہولش از ہولِ قیامت بیشتر

لَا مقامِ ضرب ہائے پے بہ پے
ایں غوِ رعد است، نے آوازِ نے

ضربِ او ہر بود را سازد نبود
تا بروں آئی ز گردابِ وجود

با تو می گویم ز ایّامِ عرب
تا بدانی پختہ و خامِ عرب

پیشِ غیر اللہ لا کہنا حیات
اس کے ہنگاموں سے تازہ کائنات

ہر گریباں اس جنوں سے کب ہے چاک
کب ہے اس شعلے سے ہر خس تابناک؟

ہو جو اک دل میں بھی یہ جذبہ سکیں
جادہ پیما کر دے صدہا رہ نشیں

بندہ تا آقا سے محوِ جنگ ہو
تخم لا کو اس کی کشت دل میں بو

جس کے پہلو میں ہو یہ سوزِ جگر
ڈر قیامت سے ہو اُس کا بیشتر

لا مقامِ ضرب ہائے پے بہ پے
یہ ہے بجلی کی کڑک، نے بانگِ نے

بود اس کی ضرب سے یکسر نبود
تاکہ ہوں آزادِ گردابِ وجود

آ بتاؤں تجھ کو ایامِ عرب
ہو عیاں سب پختہ و خامِ عرب

ریز ریز از ضربِ او لات و منات
در جهات آزاد از بندِ جهات

ہر قبائے کہنہ چاک از دستِ او
قیصر و کسریٰ ہلاک از دستِ او

گاه دشت از برق و بارانش بدرد
گاه بحر از زورِ طوفانش بدرد

عالمے در آتشِ او مثلِ خس
ایں ہمہ ہنگامۂ لا بود و بس

اندریں دیرِ کہن پیہم تپید
تا جہانے تازۂ آمد پدید

بانگِ حق از صبح خیزیہائے اوست
ہرچہ ہست از تخم ریزیہائے اوست

اینکہ شمعِ لالہ روشن کرده اند
از کنارِ جوئے او آورده اند

لوحِ دل از نقشِ غیر اللہ شُست
از کفِ خاکش دو صد ہنگامہ رُست

چور اُس کی ضرب سے لات و منات
ہندیٔ ایّام و آزاد حیات

س کے ہاتھوں پر قبائے کہنہ چاک
اُس کی زد سے قیصر و کسریٰ ہلاک

برق و باراں پر کبھی اُس کا عذاب
اُس کے طوفاں سے کبھی قلزم خراب

ا ں میں اُس کی جہاں مانندِ خس
تھا یہ سب ہنگامۂ لا اور بس

وہ جہاں میں مدّتوں تپتا رہا
تب نشاں اُبھرا جہانِ تازہ کا

بانگ حق اس کی سحر خیزی سے ہے
سب کچھ اس کی تخم افشانی سے ہے

یہ سراپا تاب لالے کا دیا
ہے شرارِ جستہ اس کی نار کا

دھو دیا سب دل سے نقشِ ماسوا
خاک ہے اُس کی عجب ہنگامہ زا

ہم چناں بینی کہ در دورِ فرنگ
بندگی با خواجگی آمد بجنگ

روس را قلب و جگر گردیده خوں
از ضمیرش حرفِ لا آمد بروں

آں نظامِ کہنہ را برہم زد است
تیز نیشے بر رگِ عالم زد است

کردہ ام اندر مقاماتش نگہ
لا سلاطیں ، لا کلیسا ، لا الٰہ

فکرِ او در تند بادِ لا بماند
مرکبِ خود را سوئے الّا نراند

آیدش روزے کہ از زورِ جنوں
خویش را زیں تند باد آرد بروں

در مقامِ لا نیاساید حیات
سوئے الّا می خرامد کائنات

لا و الّا سازو برگِ اُمّتاں
نفیِ بے اثبات مرگِ اُمّتاں

یوں ہی جنگِ بندگی و خواجگی
دورِ افرنگ میں بھی برپا ہوئی

روس کا قلب و جگر خوں ہو گیا
اُس کے سینے سے اُٹھا طوفانِ لا

نظمِ کہنہ جس نے برہم کر دیا
وہ رگِ عالم پر نشتر جاں گزا!

ہم نے کی اس کے خصائص پر نگاہ
لا سلاطین، لا کلیسا، لا الٰہ

فکر لا کی آندھیوں میں کھو گیا
جادۂ اِلّا سے گم گشتہ رہا

ایک دن وحشت بداماں ولولے
لائیں گے اس پھیر سے باہر اسے

زندگی لا میں نہیں پاتی ثبات
سوئے اِلّا گام زن ہے کائنات

لا و اِلّا سازو برگِ اُمّتاں
نفیِ بے اثبات مرگِ اُمّتاں

در محبّت پختہ کے گردد خلیل
تا نگردد لا سوئے الاّ دلیل

اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن
نعرۂ لا پیشِ نمرودے بزن

این کہ می بینی نیرزد با دو جو
از جلالِ لا الٰہ آگاہ شو

ہر کہ اندر دستِ او شمشیر لا ست
جملہ موجودات را فرماں روا است

☆

پختہ ہو کیسے محبّت میں خلیل
لا نہ جب تک سوئے الّا ہو دلیل

اے کہ حجروں میں ہے سرگرمِ سخن
پیشِ نمروداں ہو لا سے نعرہ زن

جو برابر بھی نہیں ہے ماسوا
ہو جلالِ لا الٰہ سے آشنا

جس کے ہاتھوں میں ہے تیغِ تیزِ لا
وہ ہے ہر موجود پر فرماں روا

☆

فقر

چیست فقر اے بندگانِ آب و گل
یک نگاہِ راہ بیں ، یک زندہ دل

فقر کارِ خویش را سنجیدن است
بر دو حرفِ لا الہ پیچیدن است

فقر خیبر گیر با نانِ شعیر
بستۂ فتراکِ او سلطان و میر

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست
ما امینیم ، ایں متاعِ مصطفیٰ ست

فقر بر کروبیاں شبخوں زند
بر نوامیسِ جہاں شبخوں زند

بر مقامِ دیگر اندازد ترا
از زجاجِ الماس می سازد ترا

برگ و سازِ او ز قرآنِ عظیم
مردِ درویشے نہ گنجد در گلیم

گرچہ اندر بزم کم گوید سخن
یک دمِ او گرمیٔ صد انجمن

فقر

کیا ہے فقر اے بندگانِ آب و گل
اک نگاہِ راہ بیں ، اک زندہ دل

امتحانِ ذات ہے یہ ، ہر زماں
لا الٰہ ہی لا الٰہ کا ترجماں

فقر با نانِ جویں خیبر کشا
بستۂ فقر اک میر و بادشاہ

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا
ہم امیں اور یہ متاعِ مصطفیٰ

فقر سے کرّوبیاں پر ترکتاز
کل نوامیس جہاں پر ترکتاز

جاہ و تمکیں بیشتر دیتا ہے وہ
شیشہ کو الماس کر دیتا ہے وہ

ساز و برگِ فقر قرآنِ عظیم
ہو نہیں سکتا وہ محصورِ گلیم

گرچہ ہو درویش کم گو ، کم سخن
اس کا یک دم گرمئ صد انجمن

بے پراں را ذوق پروازے دہد
پشّہ را تمکینِ شہبازے دہد

با سلاطیں در فتد مردِ فقیر
از شکوہِ بوریا لرزد سَریر

از جنوں می افگند ہوئے بہ شہر
وا رہاند خلق را از جبر و قہر

می نگیرد جز بآں صحرا مقام
کاندرو شاہیں گریزد از حمام

قلبِ او را قوت از جذب و سلوک
پیشِ سلطاں نعرۂ او لاملوک

آتشِ ما سوزناک از خاکِ او
شعلہ ترسد از خس و خاشاکِ او

بر نیفتد ملّتے اندر نبرد
تا درو باقیست یک درویش مرد

آبروئے ما ز استغنائے اوست
سوزِ ما از شوقِ بے پروائے اوست

خویشتن را اندر ایں آئینہ بیں
تا ترا بخشند سلطانِ مبیں

حکمتِ دیں دل نوازی ہائے فقر
قوّتِ دیں بے نیازی ہائے فقر

مومناں را گفت آں سلطانِ دیں
"مسجدِ من ایں ہمہ روئے زمیں"

بے پروں کو لذتِ پرواز دے
مچھروں کو شوکتِ شہباز دے

پنجہ کش ہو بادشاہوں سے فقیر
بوریا سے لرزہ ساماں ہوں سریر

ایک ھُو سے غلغلہ اندازِ شہر
خلق کو ہے رستگارِ جبر و قہر

ہے فقط اس دشت میں پا در رکاب
ہو جہاں خائف کبوتر سے عقاب

اُس کی قوت کا سبب جذب و سلوک
پیشِ سلطاں اس کا نعرہ لاسلوک

شعلہ زن مسلم اسی کی خاک سے
ترسِ نار اس کے خس و خاشاک سے

کس طرح ہو زیر ہنگام نبرد ؟
ایسی ملت جس میں ہو درویش مرد

رنگِ استغنا ہماری آبرو
شوقِ بے پروا سے گرم اپنا لہو

دیکھ اس آئینے میں اے جلوہ بیں
تا عطا ہو تجھ کو سلطان مبیں

حکمتِ دیں دلنوازی فقر کی
قوتِ دیں بے نیازی فقر کی

مومنوں سے کہہ گئے سلطانِ دیں
"میری مسجد ہے یہ پہنائے زمیں"

الاماں از گردشِ نُہ آسماں
مسجدِ مومن بدستِ دیگراں

سخت کوشد بندۂ پاکیزہ کیش
تا بگیرد مسجدِ مولائے خویش

اے کہ از ترکِ جہاں گوئی مگو
ترکِ ایں دیرِ کَہن تسخیرِ او

راکبش بودن ازو وارستن است
از مقامِ آب و گِل برجستن است

صیدِ مومن ایں جہانِ آب و گِل
باز را گوئی کہ صیدِ خود بہل ؟

حل نشد ایں معنیٔ مشکل مرا
شاہیں از افلاک بگریزد چرا

وائے آں شاہیں کہ شاہینی نکرد
مرغکے از چنگِ او نامد بدرد

در کنامے ماند زار و سرنگوں
پر نہ زد اندر فضائے نیلگوں

فقرِ قرآں احتسابِ ہست و بود
نے رباب و مستی و رقص و سرود

فقرِ مومن چیست ؟ تسخیرِ جہات
بندہ از تاثیرِ او مولا صفات

فقرِ کافر خلوتِ دشت و در است
فقرِ مومن لرزۂ بحر و بر است

الاماں یہ گردشِ نہ آسماں
مسجدِ مُسلم بدستِ دیگراں

بندگانِ پاک یہ کوشاں رہیں
لائیں اس مسجد کو اپنے ہاتھ میں

کیا کہا ترک جہاں ؟ ہرگز نہیں
ترک اس دنیا کا تسخیرِ زمیں

ہے یہ آزادی کہ ہوں اس پر سوار
یعنی قیدِ آب و گل سے رستگار

صیدِ مومن ہے جہانِ بے کنار
باز کیوں کر چھوڑ دے اپنا شکار

یہ معمّا کب سمجھ میں آ سکے
ہو گریزاں باز کیوں افلاک سے

حیف شاہیں جس نے شاہینی نہ کی
اُس کے چنگل میں نہ صید آیا کبھی

ایک گوشے میں رہا زار و زبوں
وہ کہاں اور یہ فضائے نیلگوں

فقرِ قرآں احتسابِ ہست و بود
نے رباب و مستی و رقص و سرود

فقرِ مومن کیا ہے ؟ تسخیرِ حیات
بندہ جس کے دم سے ہے مولا صفات

فقرِ کافر ہے حجابِ دشت و در
فقرِ مومن اضطرابِ بحر و بر

زندگی آں را سکون غار و کوہ
زندگی ایں را ز مرگ با شکوہ!

آں خدا را جستن از ترکِ بدن
ایں خودی را بر فسانِ حق زدن

آں خودی را کشتن و واسوختن
ایں خودی را چوں چراغ افروختن

فقر چوں عریاں شود زیرِ سپہر
از نہیبِ او بلرزد ماہ و مہر

فقرِ عریاں گرمیٔ بدر و حنین
فقرِ عریاں بانگِ تکبیرِ حسینؓ

فقر را تا ذوقِ عریانی نماند
آں جلال اندر مسلمانی نماند

وائے ما اے وائے ایں دیرِ کہن
تیغِ لا در کف نہ تو داری نہ من

دل ز غیراللہ بپرداز اے جواں
ایں جہانِ کہنہ در بازاے جواں

تا کجا بے غیرتِ دیں زیستن
اے مسلماں مردن است ایں زیستن

مردِ حق باز آفریند خویش را
جز بنورِ حق نہ بیند خویش را

بر عیارِ مصطفیٰؐ خود را زند
تا جہانے دیگرے پیدا کند

زندگی اس کی سکونِ غار و کوہ
زندگی ہے اُس کی مرگِ با شکوہ

وہ خداجوئی ہے خود کو مار کر
یہ چڑھانا خود کو حق کی سان پر

وہ خودی کو ہے بجھانا ، پھونکنا
یہ چراغِ آسا اُسے دینا جلا

جب نمودِ فقر ہو زیرِ سپہر
لرزہ ساماں ہوں سراسر ماہ و مہر

فقرِ پیدا گرمیٔ بدر و حنین
فقرِ پیدا بانگِ تکبیرِ حسینؓ

فقر کی جب شان پیدائی گئی
شوکت و شانِ مسلمانی گئی

حیف ہے ، اس دہرِ پُر آفات میں
تیغِ لا تیرے نہ میرے ہات میں

دل کو خالی کر دے غیر اللہ سے
یہ جہانِ کہنہ اُس پر وار دے

زندگی بے غیرتِ دیں تابکے
اے مسلماں! زیست ایسی موت ہے

مردِ حق خود آفریں بار دگر
نورِ حق ہی سے کرے خود پر نظر

ہو طریقِ مصطفیٰؐ اُس کا شعار
تا جہانِ تازہ کر دے آشکار

آه زان قومے کہ از پا برفتاد
میر و سلطان زاد و درویشے نزاد

داستانِ او مپرس از من کہ من
چون بگویم آنچہ ناید در سخن

در گلویم گریہ ہا گردد گرہ
این قیامت اندرونِ سینہ بہ

مسلم این کشور از خود نا امید
عمرہا شد با خدا مردے ندید

لاجرم از قوت دین بدظن است
کاروانِ خویش را خود رہزن است

از سہ قرن این امتِ خوار و زبون
زندہ بے سوز و سرورِ اندرون

پست فکر و دون نہاد و کور ذوق
مکتب و ملائے او محروم شوق

زشتیٔ اندیشہ اورا خوار کرد
افتراق اورا ز خود بیزار کرد

تا نداند از مقام و منزلش
مُرد ذوقِ انقلاب اندر دلش

طبعِ او بے صحبتِ مردِ خبیر
خستہ و افسردہ و حق ناپذیر

بندۂ رد کردۂ مولاست او
مُفلس و قلاش و بے پرواست او

حیف ملت جس میں پامردی نہ ہو
شاہی و میری ہو ، درویشی نہ ہو

داستاں اُس کی نہ مجھ سے پوچھ ہائے !
کیا کہوں جو بات کہنے میں نہ آئے

ہیں گلو گیر اشک گھٹ گھٹ کر مرے
دل میں بہتر یہ دبا محشر رہے

خود سے مسلم اس وطن میں نا امید
مردِ حق سے کب کا ہے محرومِ دید

قوتِ دیں سے ہے اس کو سوءِ ظن
خود ہے اپنے کارواں کا راہ زن

تین صدیوں سے ہے وہ خوار و زبوں
زندہ بے سوز و سرورِ اندروں

پست فکر و دوں نہاد و کور ذوق
مکتب و ملا سبھی محرومِ شوق

زشتیٔ افکار سے یہ قوم خوار
فرقہ بازی کے سبب خود شرمسار

جب نہیں آگاہِ مقصود و مآب
مٹ گیا سینے میں ذوقِ انقلاب

ناشناسِ صحبتِ مردِ خبیر
خستہ و افسردہ و حق ناپذیر

بندۂ رد کردۂ مولا ہے وہ
مفلس و قلاش و بے پروا ہے وہ

نے بکف مالے کہ سلطانے برد
نے بدل نورے کہ شیطانے برد

شیخِ او لُردِ فرنگی را مرید
گرچہ گوید از مقامِ بایزید

گفت دیں را رونق از محکومی است
زندگانی از خودی محرومی است

دولت اغیار را رحمت شمرد
رقص ہا گردِ کلیسا کرد و مُرد

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد
می شناسی عصرِ ما با ما چہ کرد!

عصرِ ما مارا ز ما بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفیٰ ص بیگانہ کرد

سوزِ او تا از میانِ سینہ رفت
جوہرِ آئینہ از آئینہ رفت

باطنِ ایں عصر را نشناختی
داوِ اوّل خویش را درباختی

تا دماغِ تو بہ پیچاکش فتاد
آرزوئے زندۂ در دل نزاد

احتسابِ خویش کن از خود مرو
یک دو دَم از غیرِ خود بیگانہ شو

تا کجا ایں خوف و وسواس و ہراس
اندر ایں کشور مقامِ خود شناس

ہاتھ ہے بےمال، کیا سلطاں کو دے
دل ہوا بے نور، کیا شیطاں لے

شیخ ہے اس کا فرنگی کا مرید
باہمہ دعویٔ شانِ بایزید

جانے محکوسی کو رونق دین کی
زندگی از خویشتن بیگانگی

غیر کی دولت کو رحمت جان کر
کرتا ہے طوفِ کلیسا عمر بھر

اے مذاقِ درد سے نا آشنا
سن جو ہم سے عہدِ حاضر نے کیا

اس نے ہم کو خود سے بیگانہ کیا
چھپ گیا ہم سے جمالِ مصطفیٰؐ

جب سے اس کا سوز سینے سے مٹا
جوہر اس آئینے کا جاتا رہا

تو نہ سمجھا چال کو اس دور کی
سب سے پہلے اپنی ہستی ہار دی

پھنس گیا اس کے پھندے میں شعور
آرزوئے تازہ سے ہے دل نفور

اپنی ہستی کو سمجھ، بےخود نہ ہو
غیر سے بیگانہ ہو کچھ دیر کو

تابکے یہ خوف و وسواس و ہراس
ہو جہانِ آب و گل میں خود شناس

این چمن دارد بسے شاخِ بلند
بر نگوں شاخ آشیانِ خود مبند

نغمہ داری در گلو اے بے خبر
جنسِ خود بشناس و بازاغاں مپر

خویشتن را تیزیٔ شمشیر دہ
باز خود را در کفِ تقدیر دہ

اندرونِ تست سیلِ بے پناہ
پیشِ او کوہِ گراں مانندِ کاہ

سیل را تمکیں ز ناآسودن است
یک نفس آسودنش نابودن است

من نہ مُلّا، نے فقیہِ نکتہ ور
نے مرا از فقر و درویشی خبر

در رہِ دیں تیز بین و سست گام
پختۂ من خام و کارم ناتمام

تا دلِ پُراضطرابم دادہ اند
یک گرہ از صد گرہ بکشادہ اند

"از تب و تابم نصیبِ خود بگیر
بعد ازیں ناید چو من مردِ فقیر"

☆

ہیں چمن میں ٹہنیاں رفعت نشاں
مت بنا شاخِ نگوں پر آشیاں

تیرے سینے میں ہیں نغمے بے خبر!
خود میں آ، زاغ و زغن سے کر حذر!

ہو نمایاں تیزیٔ شمشیر میں
باز اپنا دے کفِ تقدیر میں

تیرے سینے میں ہے سیلِ بے پناہ
کوہ جس کی زد میں ہے مانندِ کاہ

سیل کا جولانیوں سے احتشام
یک نفس آسودگی مرگِ دوام

میں نہ مُلّا نے فقیہِ نکتہ ور
فقر و درویشی سے ہوں میں بے خبر

راہِ دیں میں تیز بیں و سست گام
میرا پختہ خام، کوشش ناتمام

بخش کر دل کی مجھے شوریدگی
اک گرہ سو گرہوں میں سے کھول دی

"ہو مرے سوز و تپش سے بہرہ گیر
مجھ سا پھر آئے گا کب مردِ فقیر"

☆

مردِ حُر

مردِ حُر محکم ز وردِ لاتَخَف
ما بمیدان سر بجیب، او سر بکف

مردِ حر از لا اله روشن ضمیر
می نہ گردد بندۂ سلطان و میر

مردِ حُر چون اشتران بارے برد
مردِ حُر بارے برد، خارے خورد

پائے خود را آن چنان محکم نهد
نبضِ ره از سوزِ او بر می جهد

جانِ او پاینده تر گردد ز موت
بانگِ تکبیرش برون از حرف و صوت

ہر کہ سنگِ راه را داند زجاج
گیرد آن درویش از سلطانِ خراج

گرمیٔ طبعِ تو از صهبائے اوست
جوئے تو پروردۂ دریائے اوست

مردِ حُر

مردِ حق محکم ز وردِ لا تخف
ہوں گریزاں ہم، وہ رن میں سر بکف

لا الٰہ سے مردِ حُر روشن ضمیر
وہ نہیں ہے بندۂ سلطان و میر

مردِ حُر اُشتر صفت ہے سخت کوش
ہے گزر کانٹوں پہ اور خارا بدوش

پاؤں محکم اُس کے روئے خاک پر
نبضِ رہ اُس کی تپش سے تیز تر

ہے حیاتِ جاوداں آشوبِ موت
اس کی تکبیریں ورائے حرف و صوت

جانتا ہے سنگِ رہ کو جو زجاج
وہ گدا سلطاں سے لیتا ہے خراج

گرمیٔ جاں تجھ میں اس صہبا کی ہے
جو تری پروردہ اس دریا کی ہے

پادشاهان در قباهائے حریر
زرد رو از سهمِ آن عریان فقیر

سرّ دین ما را خبر، او را نظر
او درونِ خانه، ما بیرونِ در

ما کلیسا دوست! ما مسجد فروش!
او ز دستِ مصطفیٰ ص پیمانه نوش

نے مغان را بنده، نے ساغر بدست
ما تہی پیمانه، او مستِ الست

چہرهٔ گل از نمِ او احمر است
زآتشِ ما دودِ او روشن تر است!

دارد اندر سینه تکبیرِ اُمم
در جبینِ اوست تقدیرِ اُمم

قبلهٔ ما گه کلیسا، گاه دیر
او نخواهد رزقِ خویش از دستِ غیر

ما همه عبدِ فرنگ او عبده
او نه گنجد در جهانِ رنگ و بو

صبح و شامِ ما به فکرِ ساز و برگ
آخرِ ما چیست؟ تلخیهائے مرگ!

در جهانِ بے ثبات او را ثبات
مرگ او را از مقاماتِ حیات!

اهلِ دل از صحبتِ ما مضمحل
گل ز فیضِ صحبتش دارائے دل

لاکھ پہنے شاہ ملبوسِ حریر
ہے سوار اعصاب پر اس کے فقیر

ہم ہیں ظاہر بیں ، وہ سرتا سر نظر
وہ درونِ خانہ ، ہم بیرونِ در

ہم کلیسا دوست ، ہم مسجد فروش
ساقیٔ کوثر کا وہ پیمانہ نوش

بندۂ ساقی نہ وہ ساغر بدست
ہم تہی پیمانہ ، وہ مستِ الست

اس کے نم سے چہرۂ گل ارغواں
خوشتر اپنی آگ سے اس کا دھواں

اس کے سینے میں ہے تکبیرِ اُمم
اُس کی پیشانی میں تقدیرِ اُمم

اپنا قبلہ گہ کلیسا ، گاہ دیر
وہ نہیں منت پذیرِ دستِ غیر

ہم غلام افرنگ کے ، وہ عبدہٗ
ہے وہ آزادِ جہانِ رنگ و بو

ہم کو صبح و شام فکرِ ساز و برگ
اس کا حاصل کیا بجز تلخیٔ مرگ

دارِ فانی میں اسے حاصل ثبات
مرگ بھی ہے ایک عنوانِ حیات

ہم سے مل کر اہلِ دل ہوں مضمحل
حُر کی صحبت سے ہو گل دارائے دل

کارِ ما وابستهٔ تخمین و ظن
او همه کردار و کم گوید سخن

ما گدایان کوچه گرد و فاقه مست
فقرِ او از لا الٰه تیغی بدست

ما پرِ کاهی اسیرِ گرد باد
ضربش از کوهِ گران جوئے کشاد

محرمِ او شو، ز ما بیگانه شو
خانه ویران باش و صاحب خانه شو

شکوه کم کن از سپهرِ گرد گرد
زنده شو از صحبتِ آن زنده مرد

صحبت از علمِ کتابی خوشتر است
صحبتِ مردانِ حر آدم گر است

مرد حر دریائے ژرف و بیکران
آب گیر از بحر و نے از ناودان

سینهٔ این مرد می‌جوشد چو دیگ
پیشِ او کوهِ گران یک توده ریگ!

روزِ صلح آن برگ و سازِ انجمن
همچو بادِ فرودین اندر چمن

روزِ کین آن محرمِ تقدیرِ خویش
گورِ خود می کندد از شمشیرِ خویش!

اے سرت گردم گریز از ما چو تیر
دامنِ او گیر و بےتابانه گیر

ہم رہے وابستۂ تخمین و ظن
وہ ہے سر تا پا عمل، کوتہ سخن

ہم گدائے کوچہ گرد و فاقہ مست
فقرِ اہلِ لا الٰہ خنجر بدست

ہم مثالِ خس بگولوں کے اسیر
کوہ سے جاری کرے وہ جوئے شیر

اس کا محرم، غیر سے بیگانہ ہو
خانہ ویراں ہو کے صاحب خانہ ہو

شکوۂ گردونِ گرداں چھوڑ دے
زندہ ہو فیضانِ مردِ زندہ سے

صحبتِ علم کتابی گو خوش آئے
صحبتِ مردانِ حُر انساں بنائے

مردِ حُر دریائے ناپیدا کراں
آبِ دریا لے نہ آبِ ناوداں

سینہ اُس کا جوش زن مانندِ دیگ
اس کے آگے کوہ بھی یک تودہ ریگ

صلح میں وہ ساز و برگِ انجمن
جس طرح بادِ بہاراں در چمن

جنگ میں وہ واقفِ انجامِ کار
کھودے خود شمشیر سے اپنا مزار ۱

ہم سے للہ تیرہ‌وش بیگانہ ہو
اُس کا دامن گیر بے‌تابانہ ہو

می نه روید تخمِ دل از آب و گل
بے نگاہے از خداوندانِ دل

اندر این عالم نیرزی باخسے
تا نیاویزی بدامانِ کسے!

کب اُگائے تخمِ دل کو آب و گل
بے نگاہِ التفاتِ اہلِ دل

قدر تیری اس جہاں میں خاک ہو
گر نہ قربِ مردانِ پاک ہو

☆

در اسرارِ شریعت

نکته ہا از پیرِ روم آموختم
خویش را در حرفِ او واسوختم

"مال را گر بہرِ دین باشی حمول (رومی)
نعم مالٌ صالحٌ گوید رسول ص"

گر نداری اندر این حکمت نظر
تو غلام و خواجہ تو سیم و زر

از تہی دستان کشادِ اُمّتان
از چنین منعم فسادِ اُمّتان

جدّت اندر چشم او خوار است و بس
کہنگی را او خریدار است و بس

در نگاہش ناصواب آمد صواب
ترسد از ہنگامہ ہائے انقلاب

خواجہ نانِ بندۂ مزدور خورد
آبروئے دخترِ مزدور برد

در حضورش بندہ می‌نالد چو نے
بر لبِ او نالہ ہائے پے بہ پے

اسرارِ شریعت

درسِ حکمت میں نے رومی سے لیا
جس نے مجھ کو سوزِ جان و تن دیا

"کارِ دیں جس حال کا ہو مدّعا
ہے وہی صالح بقولِ مصطفیٰ ؐ"
گر نہیں اس درسِ حکمت پر نظر
تو غلام، آقا ہے تیرا سیم و زر

ہے زروں سے ہے کشادِ اُمتاں
بندۂ زر ہے فسادِ اُمتاں
تازگی اُس کی نگاہوں میں ہے خوار
کہنگی کی جستجو اس کا شعار

ناصواب اُس کی نگاہوں میں صواب
خائفِ ہنگامہ ہائے انقلاب
خواجہ روزی چھین لے مزدور کی
اور اس کی عزّت و ناموس بھی
چاکر اُس کے آگے نالاں مثلِ نے
اُس کے لب پر نالہ ہائے پے بہ پے

نے بجاسش بادہ و نے در سبوست
کاخ ہا تعمیر کرد و خود بکوست

اے خوش آں منعم کہ چوں درویش زیست
در چنیں عصرے خدا اندیش زیست

تا ندانی نکتۂ اکلِ حلال
بر جماعت زیستن گردد وبال

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست
چشمِ او ینظر بنوراللہ نیست

او نداند از حلال و از حرام
حکمتش خام است و کارش ناتمام

اُمّتے بر اُمّتے دیگر چرد
دانہ ایں می کارد ، آں حاصل برد

از ضعیفاں ناں ربودن حکمت است
از تنِ شاں جاں ربودن حکمت است

شیوۂ تہذیب نو آدم دری است
پردۂ آدم دریَ سوداگری است

ایں بنوک، ایں فکرِ چالاکِ یہود
نورِ حق از سینۂ آدم ربود

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

آدمی اندر جہانِ خیر و شر
کم شناسد نفع خود را از ضرر

مے سے خالی اُس کے ہیں جام و سبو
قصر کا معمار بھٹکے کو بکو

وہ امیر اچھا کہ جوں درویش ہو
اس زمانے میں خدا اندیش ہو

جو نہ جانے نکتۂ اکلِ حلال
ہر جماعت کے لیے وجہِ وبال

یورپ اس کے راز سے آگہ نہیں
صاحبِ ینظر بنور اللہ نہیں

کیا حلال اُسکی نظر میں کیا حرام ؟
حکمت اُسکی خام ، کاوش ناتمام

ایک اُمّت دوسری اُمّت کو کھائے
ایک بوئے ، دوسری خرمن اُڑائے

نان مجبوروں سے لے لینا ہنر
جان سے محروم کر دینا ہنر

شیوۂ تہذیبِ نو آدم دری
اور اس کا پردہ ہے سوداگری

بنک ، دامِ فکرِ عیّارِ یہود
نورِ حق ہوتا ہے ان سے غت ربود

ہو تہہ و بالا نہ جب تک یہ نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

ہے عجب حالِ جہانِ خیر و شر
آدمی نفع و ضرر سے بے خبر

کس نداند زشت و خوب کار چیست
جادۂ ہموار و ناہموار چیست

شرع برخیزد ز اعماقِ حیات
روشن از نورش ظلامِ کائنات

گر جہاں داند حرامش را حرام
تا قیامت پختہ ماند ایں نظام

نیست ایں کارِ فقیہاں اے پسر
با نگاہے دیگرے او را نگر

حکمش از عدل است و تسلیم و رضاست
بیخِ او اندر ضمیرِ مصطفیٰ ؐ است

از فراق است آرزوہا سینہ تاب
تو بمانی چوں شود او بے حجاب

از جدائی گرچہ جاں آید بلب
وصلِ او کم جو، رضائے او طلب

مصطفیٰ ؐ داد از رضائے او خبر
نیست در احکامِ دیں چیزے دگر

تختِ جم پوشیدہ زیرِ بوریاست
فقر و شاہی از مقاماتِ رضاست

حکمِ سلطاں گیر و از حکمش منال
روزِ میداں نیست روزِ قیل و قال

تا توانی گردن از حکمش مپیچ
تا نہ پیچد گردن از حکمِ تو ہیچ

کیا خیر، ہے خوب و زشتِ کار کیا
جادۂ ہموار و ناہموار کیا

شرعِ روحِ زندگانی کا اُبھار
اس سے روشن ہے جہانِ تیر و تار

گر حرامِ شرع کو جانیں حرام
تا ابد محکم رہے اُس کا نظام

یہ نہیں کارِ فقیہاں بے خبر
دیکھ اس شے کو بہ اندازِ دگر

حکم کی تہہ عدل و تسلیم و رضا
اس کا سرچشمہ ضمیرِ مصطفیٰ ﷺ

ہے جدائی جس کی وجہِ اضطراب
ہم کہاں ہو جائے گر وہ بے حجاب

گو جدائی ہے عذابِ جاں مگر
جائے وصل اُس کی رضا پر رکھ نظر

ہے رضا مقصودِ درسِ مصطفیٰ ﷺ
کچھ نہیں احکامِ دیں اس کے سوا

تختِ جم پوشیدہ زیرِ بوریا
فقر و شاہی ہیں مقاماتِ رضا

حکمِ سلطاں سے ہے سرتابی محال
بے محل ہے جنگ کے دن قیل و قال

تو بھی اس کے حکم کا ہو جا اسیر
تاکہ ہو دنیا تری فرماں پذیر

از شریعت اَحسُنَ التقویم شو
وارثِ ایمانِ ابراہیم شو

پس طریقت چیست اے والا صفات
شرع را دیدن به اعماقِ حیات

فاش می خواہی اگر اسرار دیں
جز به‌اعماقِ ضمیرِ خود مبیں

گر نه بینی ، دین تو مجبوری است
این چنیں دیں از خدا مہجوری است

بنده تا حق را نه‌بیند آشکار
بر نمی‌آید ز جبر و اختیار

تو یکے در فطرتِ خود غوطه‌زن
مردِ حق شو ، بر ظن و تخمیں متن

تا نه بینی زشت و خوب کار چیست
اندر این نُه پردهٔ اسرار چیست

ہر که از سِرّ نبی گیرد نصیب
ہم به جبریلِ امیں گردد قریب

اے که می نازی به قرآنِ عظیم
تاکجا در حجره می باشی مقیم

در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن
نکتهٔ شرعِ مبیں را فاش کن

کس نه گردد در جہاں محتاجِ کس
نکتهٔ شرعِ مبیں این است و بس

شرع سے تو احسن التقویم بن
وارثِ ایمانِ ابراہیمؑ بن

یہ طریقت کیا ہے؟ اے والا صفات
شرع وابستہ بہ اعماقِ حیات

گر عیاں اسرار چاہے دین کے
دل کی گہرائی میں دیکھا چاہیے

اہلِ دیں بے جذبِ دل مجبور ہے
اہلِ دیں ایسا خدا سے دُور ہے

گر نہ دیکھے بندہ حق کو آشکار
کیسے ہو آزادِ جبر و اختیار؟

اپنی فطرت میں ذرا ہو غوطہ زن
مردِ حق بن، چھوڑ دے تخمین و ظن

تا کہ دیکھے خوب و زشتِ کار کو
دے ہٹا تُو پردۂ اسرار کو

ہو گیا سترِ نبی جس کو نصیب
ہے وہ جبریلِ امیں سے بھی قریب

اے کہ نازاں ہے بہ قرآنِ عظیم
حجروں میں کب تک رہے گا تو مقیم

دہر میں اسرارِ دیں کو فاش کر
نکتۂ دینِ مبیں کو فاش کر

کوئی اوروں کا نہ ہو منّت گزیں
ہے فقط یہ نکتۂ شرعِ مبیں

مکتب و ملّا سخن ہا ساختند
مومناں ایں نکتہ را نشناختند

زندہ قومے بود ، از تاویل مُرد
آتشِ او در ضمیرِ او فسرد

صوفیان با صفا را دیدہ ام
شیخِ مکتب را نکو سنجیدہ ام

عصرِ من پیغمبرے ہم آفرید
آنکہ در قرآں بغیر از خود ندید

ہر یکے دانائے قرآن و خبر
در شریعت کم سواد و کم نظر

عقل و نقل افتادہ در بندِ ہوس
منبرِ شاں منبرِ کاک است و بس

زیں کلیماں نیست امیدِ کشود
آستیں با بے یدِ بیضا چہ سود ؟

کارِ اقوام و ملل ناید درست
از عمل بنما کہ حق در دستِ تست

مکتب و مُلّا ہیں سب افسانہ ساز
اہلِ ایماں نے نہیں سمجھا یہ راز

قومِ زندہ مٹ گئی تاویل سے
روح ہیں ایماں کے شعلے بجھ گئے

ہیں نظر میں صوفیانِ با صفا
شیخِ مکتب سے بھی ہوں میں آشنا

ایک پیغمبر بھی ہاتھ آیا ہمیں
کچھ نہ دیکھا غیرِ خود قرآن میں

سب کے سب دانائے قرآن و خبر
شرع میں سب کم سواد و کم نظر

عقل و نقل ازبس ہیں پابندِ ہوس
ان کا منبر چھابڑی روٹی کی بس

ان کلیموں سے اُمیدِ کار کیا
بے یدِ بیضا کہاں عقدہ کشا

چاہتا ہے قوم و ملت کا بھلا
ہو عمل سے اپنے راہِ حق نما

☆

اشکے چند بر افتراقِ ہندیان

اے ہمالہ! اے اٹک! اے رود گنگ
زیستن تا کے چناں بے آب و رنگ

پیر مرداں از فراست بے نصیب
نوجواناں از محبت بے نصیب

شرق و غرب آزاد و ما نخچیرِ غیر
خشتِ ما سرمایۂ تعمیرِ غیر

زندگانی بر مرادِ دیگراں
جاوداں مرگ است، نے خوابِ گراں

نیست ایں مرگے کہ آید ز آسماں
تخمِ او می بالد از اعماقِ جاں

صیدِ او نے مردہ شو خواہد، نہ گور
نے ہجومِ دوستاں از نزد و دور

جامۂ کس در غمِ او چاک نیست
دوزخِ او آں سوئے افلاک نیست

در ہجومِ روزِ حشر او را مجو
ہست در امروزِ او فردائے او

اہلِ ہند کی فرقہ آرائی پر اشک افشانی

اے ہمالہ! اے اٹک! اے رودِ گنگ
کب تک آخر زندگی بے آب و رنگ

ہیں بڑے نورِ فراست سے تہی
نوجواں ہیں سوزِ الفت سے تہی

شرق و غرب آزاد، ہم نخچیرِ غیر
خشتِ خود سرمایۂ تعمیرِ غیر

زندگی حسبِ مرادِ دیگراں
مرگ پیہم ہے، نہیں خوابِ گراں

کب اسے کرتا ہے نازل آسماں
تخم ہے اس کا درونِ کشتِ جاں

ایسے مردوں کا نہ غسال اور قبور
نے ہجومِ دوستانِ نزد و دور

جامہ چاک ان کے لیے محزوں نہیں
دوزخ ان کا آں سوئے گردوں نہیں

ڈھونڈیں کیا انبوہِ محشر میں انھیں
آج ہی ان کی قیامت دیکھ لیں

ہر کہ این جا دانہ کشت این جا درود
پیشِ حق آں بندہ را بردن چہ سود

اُمتے کز آرزو نیشے نہ خورد
نقشِ او را فطرت از گیتی سترد

اعتبارِ تخت و تاج از ساحری است
سخت چوں سنگ این زجاج از ساحری است

در گذشت از حکم این سحرِ مبین
کافری از کفر و دیں داری زِ دیں

بندیاں با یک دگر آویختند
فتنہ ہائے کہنہ باز انگیختند

تا فرنگی قومے از مغرب زمیں
ثالث آمد در نزاعِ کفر و دیں

کس نداند جلوۂ آب از سراب
انقلاب ! اے انقلاب ! اے انقلاب

اے ترا ہر لحظہ فکرِ آب و گل
از حضورِ حق طلب یک زندہ دل

آشیانش گرچہ در آب و گل است
نُہ فلک سرگشتۂ این یک دل است

تا نہ پنداری کہ از خاک است او
از بلندی ہائے افلاک است او

این جہان اورا حریم کوئے دوست
از قبائے لالہ گیرد بوئے دوست

ہم جو بوئیں گے، وہ کاٹیں گے یہاں
کون لے جائے گا پیشِ حق وہاں؟

ہو جو ملّت آرزو نا آشنا
قدرت اس کا نقش دیتی ہے مٹا

سحر ہے یا اعتبارِ تخت و تاج
جس سے آتا ہے نظر خارا زجاج

جذب کر لیتا ہے یہ سحرِ مبیں
کافروں کا کفر، دیں داروں کا دیں

اہلِ ہند آپس میں رزم آرا ہوئے
فتنہ ہائے خفتہ پھر زندہ ہوئے

تب اُٹھی اک ملّتِ مغرب زمیں
دُور کرنے کو نزاعِ کفر و دیں

ہم نہ سمجھے، تھا وہ پانی یا سراب
انقلاب! اے انقلاب! اے انقلاب!

اے کہ ہے ہر لحظہ محوِ آب و گل
حق تعالیٰ سے طلب کر زندہ دل

گرچہ آب و گِل میں ہے اُس کا مقام
نہ فلک سرگشتۂ یک دل تمام

مت سمجھ وابستہ اُس کو خاک سے
ہے وہ رفعت میں فزوں افلاک سے

ہے جہاں اُس کو حریمِ کوئے دوست
ہر قبائے لالہ میں ہے بوئے دوست

هر نفس با روزگار اندر ستیز
سنگِ ره از ضربتِ او ریز ریز

آشنائے منبر و دار است او
آتشِ خود را نگهدار است او

آبجوے و بحرہا دارد ببر
می دہد موجش ز طوفانے خبر

زنده و پاینده بے نانِ تنور
میرد آں ساعت که گردد بے حضور

چوں چراغ اندر شبستانِ بدن
روشن ازوے خلوت و ہم انجمن

ایں چنیں دل خود نگر ، الله مست
جز بہ درویشی نمی‌آید بدست

اے جواں دامانِ او محکم بگیر
در غلامی زاده‌ای ، آزاد میر

☆

ہر نفس دنیا کو ٹھکراتے ہوئے
ٹکڑے ٹکڑے کردے سنگِ راہ کے

دار اور منبر کا ہے وہ رازداں
خود ہے اپنے سوزِ دل کا پاسباں

آبجو، سو قلزموں کی مایہ دار
موج موج اُس کی ہے طوفاں درکنار

زندہ و پایندہ بے نانِ تنور
موت اُس کی زندگی بے حضور

شمع وش اندر شبستانِ بدن
خلوت افروز و فروغِ انجمن

یہ دلِ اللہ مست و خود نگر
بے فقیری آ نہیں سکتا نظر

اے مسلماں! اُس کا دامن تھام لے
تھا غلام، آزاد ہو کر جان دے

☆

سیاسیاتِ حاضره

می کند بند غلاماں سخت تر
حرّیت می‌خوانَد او را بے بصر

گرمیٔ ہنگامۂ جمہور دید
پردہ بر روئے ملوکیّت کشید

سلطنت را جامعِ اقوام گفت
کارِ خود را پختہ کرد و خام گفت

در فضایش بال و پر نتوان کشود
با کلیدش ہیچ در نتوان کشود

گفت با مرغِ قفس اے دردمند
آشیاں در خانۂ صیّاد بند

ہر کہ سازد آشیاں در دشت و مرغ
او نباشد ایمن از شاہین و چرغ

از فسونش مرغِ زیرک دانہ مست
نالہ ہا اندر گلوئے خود شکست

حرّیت خواہی بہ پیچاکش میفت
تشنہ میر و بر نمِ تاکش میفت

سیاسیاتِ حاضرہ

ہے غلامیٔ سیاست زشت تر
حریت کہتی ہے اس کو بے بصر

جادۂ جمہوریت کی آب و تاب
ہے ملوکیت کے چہرے کی نقاب

سلطنت کیا ؟ جامعِ اقوام ہے
اور بر تکمیلِ مقصد خام ہے

اس میں ناممکن کشادِ بال و پر
ہاتھ آئے کب کلیدِ قفلِ در

دیتے ہیں مرغِ قفس کو مشورہ
"آشیاں صیاد کے گھر میں بنا

آشیاں جو دشت و صحرا میں بنائے
پنجۂ شاہیں سے کیسے بچ کے جائے"

دانے نے کی مرغ پر افسوں گری
حلق میں فریاد دب کر رہ گئی

طالبِ حریت ! اب دھوکا نہ کھا
پیاس سے مر جا، نہ اس کے پاس جا

الحذر از گرمیٔ گفتارِ او
الحذر از حرفِ پهلودارِ او

چشم ها از سرمه اش بے نور تر
بندۂ مجبور ازو مجبور تر

از شرابِ ساتگینش الحذر
از قمارِ بدنشینش الحذر

از خودی غافل نه گردد مردِ حُر
حفظِ خود کن ، حبِ افیونش مخور

پیش فرعونان بگو حرفِ کلیم
تا کند ضربِ تو دریا را دونیم

داغم از رسوائیِ این کاروان
در امیرِ او ندیدم نورِ جان

تن پرست و جاه مست و کم نگه
اندرونش بے نصیب از لا اله

در حرم زاد و کلیسا را مرید !
پردۂ ناموسِ ما را بردرید

دامنِ او را گرفتن ابلهی است
سینهٔ او از دلِ روشن تهی است

اندرین ره تکیه بر خود کن که مرد
صیدِ آهو با سگِ کورے نکرد

آه از قومے که چشم از خویش بست
دل به غیرالله داد ، از خود گسست

توبہ اس کی گرمیٔ گفتار سے
توبہ توبہ حرفِ پہلودار سے

سرمہ سے اس کی نگہ بے نور تر
اس سے ہر مجبور ہے مجبور تر

سے سے اس کے ساتگیں کی کر حذر
وہ قمارِ بد نشیں سے دور تر

مردِ حُر اپنی خودی مست بھول جا
خود کو اس کی حبِ افیوں سے بچا

کھول فرعونوں پہ اسرار کلیم
کر دے اپنی ضرب سے دریا دو نیم

کس قدر ہوتا ہے رسوا کارواں
ہو جو میرِ کارواں بے سوزِ جاں

تن پرست و جاہ مست و کم نگاہ
اس کا سینہ ناشناسِ لا الٰہ

کعبہ زائیدہ، کلیسا پر فدا
حرمتِ اسلام کو رسوا کیا

اُس کا دامن تھامنا ہے ابلہی
اس کا سینہ قلبِ روشن سے تہی ۳۴۰

اپنے اوپر تکیہ کر اے مردِ کار
ہوں سگانِ کور کب آہو شکار

کتنی غفلت کیش ہے وہ قوم بھی
وقفِ غیراللہ ہوئی، خود سے گئی

تا خودی در سینهٔ ملت بمرد
کوه کاهی کرد و باد او را ببرد

گرچه دارد لا اله اندر نهاد
از بطونِ او مسلمانے نزاد

آنکه بخشد بے یقینان را یقین
آنکه لرزد از سجودِ او زمین

آنکه زیرِ تیغ گوید لا اله
آنکه از خونش بروید لا اله

آن سرور، آن سوزِ مشتاقی نماند
در حرم صاحب دلے باقی نماند

اے مسلمان اندریں دیرِ کہن
تا کجا باشی بہ بندِ اہرمن

جہد با توفیق و لذّت در طلب
کس نیابد بے نیازِ نیم شب

زیستن تا کے بہ بحر اندر چو خس
سخت شو چون کوه از ضبطِ نفس

گرچه دانا حالِ دل با کس نگفت
از تو دردِ خویش نتوانم نهفت

تا غلامم در غلامی زاده ام
ز آستانِ کعبه دور افتاده ام

چون بنام مصطفیٰ ﷺ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود

قلب ملت سے ہو جو محروم خودی
مثلِ خس ہو جائے اس کا کوہ بھی

لا الہ سینے میں رکھتا ہے مگر
اس سے مسلم ہو سکا کب جلوہ گر

وہ جو بخشے بے یقینوں کو یقیں
لرزہ ساماں جس کے سجدوں سے زمیں

وہ جو زیرِ تیغ بولے لا الہ
خونِ دل سے جس کے پھوٹے لا الہ

وہ سرور و جذب اب حاصل نہیں
اب حرم میں کوئی اہلِ دل نہیں

اے مسلماں! تا بکے یہ گمرہی
اہرمن سے تا بکے گرویدگی

جہد باتوفیق و ذوق با طلب
کس نے پایا بے نیازِ نیم شب

زندگی دریا میں کب تک مثلِ خس
کوہ وش ہو سخت، کر ضبطِ نفس

گرچہ دانا حالِ دل کہتے نہیں
بے سنائے تجھ کو ہم رہتے نہیں

بندہ ہوں میں یا غلامی زادہ ہوں
دامنِ کعبہ سے دور اُفتادہ ہوں

بھیجتا ہوں مصطفیٰ پر جب درود
پانی پانی ہوتا ہے میرا وجود

عشق می‌گوید که "اے محکومِ غیر
سینهٔ تو از بتان مانندِ دیر

تا نداری از محمدؐ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ او"

از قیامِ بے حضورِ من مپرس
از سجودِ بے سرورِ من مپرس

جلوهٔ حق گرچه باشد یک نفس
قسمتِ مردانِ آزاد است و بس

مردے آزادے چو آید در سجود
در طوافش گرم رو چرخِ کبود

ما غلامان از جلالش بے خبر
از جمالِ لازوالش بے خبر

از غلامے لذتِ ایمان مجو
گرچه باشد حافظِ قرآن، مجو

مومن است و پیشهٔ او آذری است
دین و عرفانش سراپا کافری است

در بدن داری اگر سوزِ حیات
ہست معراجِ مسلمان در صلوٰت

ور نداری خونِ گرم اندر بدن
سجدهٔ تو نیست جز رسمِ کهن

عیدِ آزادان شکوهِ ملک و دین
عیدِ محکومان ہجومِ مومنین!

عشق کہتا ہے کہ اے محکومِ غیر
تیرے سینے میں ہیں بت مانندِ دیر

رنگ اگر تم میں محمدؐ کا نہ ہو
مت درودوں میں تم ان کا نام لو

حیف ہے اپنا مقامِ بے حضور
یہ سجودِ بے دلانہ، بے سرور

جلوۂ حق گرچہ ہو یک دو نفس
ہے فقط مردانِ حُر کا کام بس

بندۂ حق ہے اگر محوِ سجود
گرد اُس کے پھرتا ہے چرخِ کبود

ہم غلام اور اُس کی وہ شانِ جلال
جانیں کیا اُس کا جمالِ لازوال

بندگی میں لذت ایماں کہاں
گرچہ ہو وہ حافظِ قرآں خواں

نام کا سوسن ہے، پیشہ آذری
دین و عرفاں اس کے عینِ کافری

تیرے پیکر میں ہے گر سوزِ حیات
عینِ معراجِ مسلماں ہے صلوات

گرم خوں ہو گر نہ رگ میں موجزن
کیا ہے سجدہ تیرا جز رسمِ کہن

عیدِ آزاداں شکوہ ملک و دیں
عیدِ محکوماں ہجومِ مومنیں

حرفے چند با امّت عربیہ

اے در و دشت تو باقی تا ابد
نعرۂ لا قیصر و کسریٰ کہ زد ؟

در جہانِ نزد و دور و دیر و زود
اوّلیں خوانندۂ قرآں کہ بود ؟

رمزِ الّا الله کرا آموختند ؟
ایں چراغ اوّل کجا افروختند ؟

علم و حکمت ریزۂ از خوان کیست؟
آیۂ فاصبحتم اندر شانِ کیست ؟

از دمِ سیرابِ آں اُمّی لقب
لالہ رُست از ریگِ صحرائے عرب

حرّیت پروردۂ آغوشِ اوست
یعنی امروزِ اُمم از دوشِ اوست

او دلے در پیکرِ آدم نہاد
او نقاب از طلعتِ آدم کشاد

بر خداوندِ کہن را او شکست
بر کہن شاخ از نمِ او غنچہ بست

اُمّتِ عربیہ سے چند باتیں

اے کہ دشت و در میں ہے اب تک بپا
نعرۂ لا قیصر و کسریٰ ترا

یہ جہانِ نزد و دور و شکل و نون
اس میں پہلا قاریٔ قرآں تھا کون ؟

رازِ الّا اللہ کس پر وا ہوا ؟
کس نے پہلے یہ دیا روشن کیا ؟

علم و حکمت ریزۂ خواں کس کا تھا ؟
کون یاں مصداقِ فاصبحتم بنا ؟

ایک اُمّی کے دمِ سیراب سے
لالے صحرائے عرب میں جھوم اُٹھے

حرّیت کا اس کے پہلو سے جنم
دوش اس کا صبحِ امروزِ اسم

پیکرِ انساں میں ڈالی دل کی تاب
دی ہٹا رخسارِ آدم سے نقاب

ہر خداوندِ کہن کو دی شکست
کہنہ شاخیں ہو گئیں سب غنچہ بست

گرمیٔ ہنگامۂ بدر و حنین
حیدر رضؓ و صدیق رضؓ و فاروق رضؓ و حسین رضؓ

سطوت بانگ صلٰوت اندر نبرد
قراءت الصّٰفّت اندر نبرد

تیغ ایوبی، نگاہ بایزید
گنجہائے ہر دو عالم را کلید

عقل و دل را مستی از یک جام مے
اختلاط ذکر و فکر روم و رے

علم و حکمت، شرع و دیں، نظم امور
اندرون سینہ دل ہا ناصبور

حسن عالم سوز الحمرا و تاج
آنکہ از قدوسیاں گیرد خراج

ایں ہمہ یک لحظہ از اوقات اوست
یک تجلّی از تجلّیات اوست

ظاہرش ایں جلوہ ہائے دلفروز
باطنش از عارفاں پنہاں ہنوز

حمد بے حد مر رسول پاکؐ را
آں کہ ایماں داد مشت خاک را

حق ترا برّاں تر از شمشیر کرد
ساربان را راکب تقدیر کرد

بانگ تکبیر و صلٰوت و حرب و ضرب
اندراں غوغا کشاد شرق و غرب

گرمیٔ ہنگامۂ بدر و حنین
حیدرؓ و صدیقؓ و فاروقؓ و حسینؓ

وقت ہیجا سطوتِ بانگِ صلوٰت
التزامِ قراءتِ الصّفّٰت

تیغِ ایوبی ، نگاہِ بایزید
دونوں عالم کے خزانوں کی کلید

عقل و دل شوریدۂ یک جامِ مے
اختلاطِ ذکر و فکرِ روم و رے

علم و حکمت ، شرع و دیں نظمِ امور
قلب سینوں میں دھڑکتے ، ناصبور

حسنِ عالم سوز الحمرا و تاج
قدسیوں نے بھی دیا جس کو خراج

اس کے لمحوں میں سے اک لمحہ ہے یہ
ان گنت جلووں میں اک جلوہ ہے یہ

اس کا ظاہر جلوہ ہائے بے کراں
اس کا باطن اولیا پر بھی نہاں

"ہے رسولِ پاکؐ پر بے حد ثنا
جس نے مشتِ خاک کو ایماں دیا" (عطار)

حق نے تجھ کو خنجرِ بُرّاں کیا
ساربان کو راکبِ قدر و قضا

بانگِ تکبیر و صلوٰت و حرب و ضرب
جس کے نعروں میں کشادِ شرق و غرب

اے خوش آں مجذوبی و دل بردگی
آہ زیں دل گیری و افسردگی

کارِ خود را امتاں بردند پیش
تو ندانی قیمتِ صحرائے خویش

امتے بودی ، امم گردیده‌ای
بزمِ خود را خود ز ہم پاشیده‌ای

ہر کہ از بندِ خودی وا رست ، مرد
ہر کہ با بیگانگاں پیوست ، مرد

آنچہ تو با خویش کردی ، کس نکرد
روحِ پاکِ مصطفیٰؐ آمد بدرد !

اے ز افسونِ فرنگی بے خبر
فتنہ ہا در آستینِ او نگر

از فریبِ او اگر خواہی اماں
اشترانش را ز حوضِ خود براں

حکمتش ہر قوم را بے چارہ کرد
وحدتِ اعرابیاں صد پارہ کرد

تا عرب در حلقۂ دامش فتاد
آسماں یک دم اماں اورا نداد

عصرِ خود را بنگر اے صاحب نظر
در بدن باز آفریں روحِ عمرؓ

قوت از جمعیتِ دینِ مبیں
دیں ہمہ عزم است و اخلاص و یقیں

اے خوشا مجذوبی و دل بردگی
حیف بر دل گیری و افسردگی

اُمتیں آگے بڑھیں ، بڑھتی گئیں
قدر تجھ کو اپنے صحرا کی نہیں

ایک اُمت بن گئی صدہا اُمم
انجمن ہے تیری برہم دم بدم

خویش سے بے بہرگی میں موت ہے
غیر سے وابستگی میں موت ہے

تو نے جو خود سے کیا ، کس نے کیا
کرب میں ہے روحِ پاکِ مصطفیٰ ؐ

تجھ کو علمِ سحرِ افرنگی نہیں
فتنوں سے معمور اُس کی آستیں

عافیت چاہے جو اس کے مکر سے
حوض سے اونٹوں کو اُسکے ہانک دے

قوم قوم اس کے سبب بے چارہ ہے
وحدتِ اعرابیاں صد پارہ ہے

اسکے پھندوں میں عرب جب سے پھنسا
ایک لمحہ بھی نہ گزرا چین کا

دیکھ اپنے عہد کو صاحب نظر
ڈال دے پھر جسم میں روحِ عمرؓ

قوتِ جمعیتِ دینِ مبیں
کے سراپا عزم و اخلاص و یقیں

تا ضمیرش رازدانِ فطرت است
مردِ صحرا پاسبانِ فطرت است

سادہ و طبعش عیارِ زشت و خوب
از طلوعش صد بهارِ انجم غروب

بگذر از دشت و در و کوہ و دمن
خیمه را اندر وجودِ خویش زن

طبع از بادِ بیابان کردہ تیز
ناقه را سردہ بمیدانِ ستیز

عصرِ حاضر زادۂ ایّامِ تست
مستیٔ او از مئے گلفامِ تست

شارحِ اسرارِ او تو بودی‌ای
اوّلین معمارِ او تو بوده‌ای

تا به فرزندی گرفت او را فرنگ
شاهدے گردید بے ناموس و ننگ

گرچه شیرین است و نوشین است او
کج خرام و شوخ و بے دین است او

مردِ صحرا! پخته‌تر کن خام را
بر عیارِ خود بزن ایّام را

☆

بزمِ فطرت کا اگر ہے رازداں
مردِ صحرائی ہے اس کا پاسباں

سادگی اس کی عیارِ زشت و خوب
وہ جو اُبھرے لاکھوں انجم ہوں غروب

چھوڑ کر دشت و در و کوہ و دمن
اپنے دشتِ ذات میں ہو خیمہ زن

بادِ صحرا سے بھی ہو جا تند تر
ناقہ میدانِ وفا میں تیز کر

عصرِ نو اُبھرا ترے ایّام سے
مستیاں تیری مئے گلفام سے

شرحِ اسرارِ جہاں تُو ہی تو تھا
اصل معمارِ جہاں تُو ہی تو تھا

عصرِ نو فرزندِ آغوشِ فرنگ
بن گیا اک شاہدِ بے نام و ننگ

گرچہ وہ شیریں بھی ہے نوشیں بھی ہے
کج خرام و شوخ ہے، بے دیں بھی ہے

مردِ صحرا پختہ کر اس خام کو
اپنے جوہر سے پرکھ ایّام کو

☆

پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق

آدمیّت زار نالید از فرنگ
زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ

پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق ؟
باز روشن می شود ایّامِ شرق

در ضمیرش انقلاب آمد پدید
شب گزشت و آفتاب آمد پدید

یورپ از شمشیرِ خود بسمل فتاد
زیرِ گردوں رسمِ لادینی نہاد

گرگے اندر پوستینِ برۂ
ہر زماں اندر کمینِ برۂ

مشکلاتِ حضرتِ انساں ازوست
آدمیّت را غمِ پنہاں ازوست

در نگاہش آدمی آب و گل است
کاروانِ زندگی بے منزل است

تدبیرِ کار

آدمی افرنگ کے ہاتھوں سے خوار
زندگی مغرب سے ہے رُو در فرار

اب ہو کیا تدبیر اے اقوامِ شرق
تاکہ روشن پھر سے ہوں ایّامِ شرق

اُس کے سینے میں ہے برپا انقلاب
رات گزری ، اور اُبھرا آفتاب

یورپ اپنی تیغ سے بسمل ہوا
رسمِ لادینی کی ڈالی ہے بنا

پوستینِ میش میں ہے بھیڑیا
ہے تلاشِ برّۂ نو میں لگا

مشکلاتِ نوعِ انساں اس سے ہیں
آدمی کے رنجِ پنہاں اس سے ہیں

اس کی نظروں میں بشر جز گل نہیں
کاروانِ زیست کی منزل نہیں

۳۱۰

ہرچہ می بینی ز انوارِ حق است
حکمتِ اشیا ز اسرارِ حق است

ہر کہ آیاتِ خدا بیند حُر است
اصلِ ایں حکمت ز حکمِ اُنظُر است

بندۂ مومن ازو بہروز تر
ہم بہ حالِ دیگراں دلسوز تر

علم چوں روشن کند آب و گلش
از خدا ترسنده تر گردد دلش

علمِ اشیا خاکِ ما را کیمیا ست
آه ! در افرنگ تاثیرش جدا ست

عقل و فکرش بے عیارِ خوب و زشت
چشمِ او بے نم ، دلِ او سنگ و خشت

علم ازو رسواست اندر شہر و دشت
جبرئیل از صحبتش ابلیس گشت

دانشِ افرنگیاں تیغے بدوش
در ہلاکِ نوعِ انساں سخت کوش

با خساں اندر جہانِ خیر و شر
در نسازد مستیٔ علم و ہنر

آه از افرنگ و از آئینِ او
آه از اندیشۂ لادینِ او

علمِ حق را ساحری آموختند
ساحری نے ، کافری آموختند ؟

ہے ہر اک شے مظہرِ انوارِ حق
حکمتِ اشیا ہے کیا اسرارِ حق

فہمِ آیاتِ خدا ہے کارِ حُسن
حکمِ اُنظر میں ہے پوشیدہ یہ گُر

بندۂ مومن اسی سے کام گار
دوسروں کے حال پر سینہ فگار

علم سے روشن ہو جب یہ آب و گِل
ہو خدا کے خوف سے نرم اور دل

ہے ہمارا علمِ اشیا کیمیا
ارضِ مغرب میں اثر اس کا جدا

عقل اس کی ناشناسِ خوب و زشت
آنکھ بے نم، دل سراسر سنگ و خشت

علم دشت و شہر میں اس کا ذلیل
عین شیطاں اس کے دم سے جبرئیل

دانشِ افرنگیاں تندر بدوش
نوعِ انساں کی فنا میں سخت کوش

ناکسوں کا یہ جہانِ خیر و شر
ناسزائے مستیٔ علم و ہنر

حیف افرنگ، اس کا یہ آئین حیف!
اس کا یہ اندیشۂ لا دین حیف!

اُس کا علمِ حق ہے علمِ ساحری
ساحری کیا ہے؟ سراسر کافری

هر طرف صد فتنه می آرد نفیر
تیغ را از پنجهٔ رهزن بگیر

ای که جان را باز می دانی ز تن
سحرِ این تهذیب لادینی شکن

روحِ شرق اندر تنش باید دمید
تا بگردد قفلِ معنی را کلید

عقل اندر حکمِ دل یزدانی است
چون ز دل آزاد شد شیطانی است

زندگانی هر زمان در کش مکش
عبرت آموز است احوالِ حبش

شرعِ یورپ بی نزاعِ قیل و قال
برّه را کرد است بر گرگان حلال

نقشِ نو اندر جهان باید نهاد
از کفن دزدان، چه امیدِ کشاد؟

در جنیوا چیست غیر از مکر و فن
صیدِ تو این میش و آن نخچیرِ من!

نکته ها کو می نه گنجد در سخن
یک جهان آشوب و یک گیتی فتن!

ای اسیرِ رنگ، پاک از رنگ شو
مومنِ خود، کافرِ افرنگ شو

رشتهٔ سود و زیان در دستِ تست
آبروئی خاوران در دستِ تست

ہو گئی پُر شور فتنوں سے زمین
پنجۂ رہزن سے لے تلوار چھین

تو کہ ہے دانائے فرقِ جان و تن
کیوں نہ ہو افسونِ لا دینی شکن

روحِ مشرق اس کے تن میں پھونک دے
تا کہ اس سے قفلِ معنی کھل سکے

حکمِ دل پانے سے یزدانی ہو عقل
دل سے آزادی پہ شیطانی ہو عقل

زندگی ہر دم رہینِ کشمکش
باعثِ عبرت ہیں احوالِ حبش

شرعِ یورپ نے بغیرِ قیل و قال
بھیڑیوں پر کر دیا برہ حلال

نقشِ نو کی طرح ڈالیں خوش نہاد
کیا کفن دزدوں سے اُمیدِ کشاد

کیا جنیوا میں ہے جز مکر و دغا
ہے وہاں صید افگنوں کا جمگھٹا

ذکر کو واں کے نہیں تابِ سخن
یک جہاں آشوب و یک گیتی فتن !

اے اسیرِ رنگ پاک از رنگ ہو
مومنِ خود ، کافرِ افرنگ ہو

تیری کف میں رشتۂ سود و زیاں
ہاتھ تیرے آبروئے خاوراں

ایں کہن اقوام را شیرازہ بند
رایتِ صدق و صفا را کن بلند

اہلِ حق را زندگی از قوت است
قوتِ ہر ملت از جمعیت است

رائے بے قوت ہمہ مکر و فسوں
قوتِ بے رائے جہل است و جنوں

سوز و ساز و درد و داغ از آسیاست
ہم شراب و ہم ایاغ از آسیاست

عشق را ما دلبری آموختیم
شیوۂ آدم گری آموختیم

ہم ہنر ہم دیں ز خاکِ خاور است
رشکِ گردوں خاکِ پاکِ خاور است

وانمودیم آنچہ بود اندر حجاب
آفتاب از ما و ما از آفتاب

ہر صدف را گوہر از نیسانِ ماست
شوکتِ ہر بحر از طوفانِ ماست

روحِ خود در سوزِ بلبل دیدہ ایم
خونِ آدم در رگِ گل دیدہ ایم

فکرِ ما جویائے اسرارِ وجود
زد نخستیں زخمہ بر تارِ وجود

داشتیم اندر میانِ سینہ داغ
بر سرِ راہے نہادیم ایں چراغ

ہو قدیم اقوام کا شیرازہ بند
رایتِ صدق و صفا کر دے بلند

اہلِ حق کی زندگی قوّت سے ہے
قوّتِ اقوام جمعیّت سے ہے

رائے بے قوّت کے ہے مکر و فسوں
قوّت بے رائے ہے جہل و جنوں

ایشیا ہے سوز و ساز و درد و داغ
ہے شراب اُس کی، اُسی کا ہے ایاغ

عشق کو ہم نے سکھائی دلبری
کی عطا ہم نے اسے آدم گری

فیضِ مشرق ہے ہنر، ہو یا کہ دیں
رشکِ گردوں اس کی پاکیزہ زمیں

ہم نے کھولے تہہ بہ تہہ بند نقاب
ہم ہیں اس کے، ہے ہمارا آفتاب

پُر گہر ہر سیپ اس نیساں سے ہے
شوکتِ ہر بحر اس طوفاں سے ہے

دم ہمارا سوزِ بُلبل سے عیاں
خونِ انساں ہے رگِ گل میں رواں

فکر ہے جویائے اسرارِ وجود
اوّلیں زخمۂ تارِ وجود

ہے درونِ سینۂ انساں جو داغ
ہے جہاں کی روشنائی کا چراغ

اے امینِ دولتِ تہذیب و دیں
آں یدِ بیضا برآر از آستیں

خیز و از کارِ اُمم بکشا گرہ
نشۂ افرنگ را از سر بنہ

نقشے از جمعیّتِ خاور فگن
واستاں خود را ز دستِ اہرمن

دانی از افرنگ و از کارِ فرنگ
تا کجا در قیدِ زُنّارِ فرنگ؟

زخم ازو، نشتر، ازو سوزن ازو
ما و جوئے خون و امیدِ رفو

خود بدانی پادشاہی قاہری است
قاہری در عصرِ ما سوداگری است

تختۂ دکاں شریکِ تخت و تاج
از تجارت نفع و از شاہی خراج

آں جہاں بانے کہ ہم سوداگر است
بر زبانش خیر و اندر دل شر است

گر تو میدانی حسابش را درست
از حریرش نرم تر کرپاسِ تست

بے نیاز از کارگاہِ او گذر
در زمستاں پوستینِ او مخر

کشتن بے حرب و ضرب آئینِ اوست
مرگ ہا در گردشِ ماشینِ اوست

اے امینِ دولتِ تہذیب و دیں
لا یدِ بیضا برونِ آستیں

اُمتوں کا کاروبار اُٹھ کر سنوار
نشّۂ افرنگ کو سر سے اُتار

کارسازِ اتحادِ شرق بن
تا بکے صیدِ زبونِ اہرمن

جانتا ہے وضع و ہنجارِ فرنگ
کب تک آخر بندِ زنّارِ فرنگ

زخم، سوزن، نشتر اس کے، ماو تو
خوں ہی خوں ہیں اور اُمیدِ رفو

بادشاہی کیا ہے؟ یکسر قاہری
قاہری اس عہد میں سوداگری

تختۂ دکّاں نظیرِ تخت و تاج
تاجری میں نفع، شاہی میں خراج

حکمراں باسیرتِ سوداگراں
اس کے لب پر خیر، دل میں شر نہاں

اُس کے کرتوتوں سے ہے گر آشنا
ٹاٹ تیرا اس کے ریشم سے بھلا

کارخانوں کو نہ جان اس کے مفید
پوستیں اس کی نہ جاڑوں میں خرید

کشتنِ بے حرب و ضرب اُس کا شعار
ہے مشینوں کی روانی مرگ بار

بوریائے خود به قالینش مده
بیذقِ خود را به فرزینش مده

گو برش تف دار و در لعلش رگ است
مشکِ این سوداگر از نافِ سگ است

رہزنِ چشمِ تو خوابِ مخملش
رہزنِ تو رنگ و آبِ مخملش

صد گره افگنده ای درکارِ خویش
از قماشِ او مکن دستارِ خویش

ہوش مندے از خمِ او مے نخورد
ہر که خورد اندر، ہمیں میخانه مُرد

وقت سودا خند خند و کم خروش
ما چو طفلانیم و او شکّر فروش

محرم از قلب و نگاهِ مشتری است
یارب این سحراست یا سوداگری است

تاجرانِ رنگ و بو بردند سود
ما خریداران ہمه کور و کبود

آنچه از خاک تو رُست اے مردِ حُر
آں فروش و آں بپوش و آں بخور

آں نکو بیناں که خود را دیده اند
خود گلیمِ خویش را بافیده اند

اے ز کارِ عصرِ حاضر بے خبر
چرب دستی ہائے یورپ را نگر

اپنی گدڑی دے کے غالیچہ نہ لے
اُس کے فرزیں کے عوض پیادہ نہ دے

اس کے موتی جھوٹے اور لعلوں میں رگ
نافہ اس کے مشک کا ہے نافِ سگ

رہزنِ چشم اُس کے ابریشم میں خواب
رہزنِ دل اس کے ابریشم کی آب

زحمتِ ملبوس انگریزی سے ڈر
کر نہ دستار اُس کی اپنی زیبِ سر

اس کے خُم سے مے نہ دانشور پئیں
جس نے پی لی، مر گیا مے خانے میں

وقتِ سودا خندہ روے و بے خروش
ہم ہیں اطفال اور وہ شکّر فروش

محرمِ قلب و نگاہِ مشتری
سحر کہیے اس کو یا سوداگری

تاجرانِ رنگ و بو دولت نشاں
اور ہم گاہک ہیں سر تا پا زیاں

جو تمھارے دیس میں موجود ہو
وہ ہی بیچو، پہنو اور کھاؤ پیو

جو بھی ہیں دیدہ ورانِ خود نگر
رکھتے ہیں خود باف کملی سربسر

عہدِ حاضر کے چلن سے بے خبر
کر فریبِ اہلِ مغرب سے حذر

قالی از ابریشمِ تو ساختند
باز او را پیشِ تو انداختند

چشمِ تو از ظاهرش افسون خورد
رنگ و آبِ او ترا از جا برد

وای آن دریا که موجش کم تپید
گوهرِ خود را ز غوّاصان خرید !

☆

تیرے ریشم ہی کی قالینیں بنائیں
اور پھر تیرے ہی آگے لا بچھائیں

اُن کا جادو تیری آنکھوں میں سمائے
آب و رنگ ان کا ترے دل کو لبھائے

حیف دریا! خود ہی جو کوشاں نہیں

مول لے غوّاصوں سے اپنے نگیں!

☆

در حضورِ رسالت مآب

شبِ سه اپریل ۱۹۳۶ء که در دارالاقبال بهوپال بودم ، سیّد احمد خان رحمة الله علیه را در خواب دیدم ۔ فرمودند که از علالتِ خویش در حضورِ رسالت مآب ﷺ عرض کن ۔

اے تو ما بیچارگاں را ساز و برگ
وارہاں ایں قوم را از ترسِ مرگ

سوختی لات و مناتِ کہنہ را
تازہ کردی کائناتِ کہنہ را

در جہانِ ذکر و فکرِ انس و جاں
تو صلٰوتِ صبح ، تو بانگِ اذاں

لذّتِ سوز و سرور از لا الٰہ
در شبِ اندیشہ نور از لا الٰہ

نے خدایا ساختیم از گاؤ خر
نے حضورِ کاہناں افگندہ سر

رسالتمآب کے حضور

۳ اپریل ۱۹۳۶ء کی رات میں نے دارالاقبال بھوپال میں سید احمد خاں کو خواب میں دیکھا۔ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ حضورِ رسالتمآبؐ میں اپنی بپتا پیش کروں۔

اے کہ تو ہے بیکسوں کا سازوبرگ
تابکے اُمّت کو تیری خوفِ مرگ

توڑ ڈالے تو نے سب لات و منات
تازہ کردی ہے بنائے کائنات ۴۰۷

یہ جہانِ ذکر و فکرِ انس و جاں
تو صلوٰتِ صبح اس میں تو اذاں

لا الٰہ سے لذّتِ سوز و سرور
ظلمتِ اندیشہ میں میلانِ نور

ہم پرستارانِ گاؤ و خر نہیں
پیشِ کاہن ہم فگندہ سر نہیں

نے سجودے پیشِ معبودانِ پیر
نے طوافِ کوشکِ سلطان و میر

ایں ہمہ از لطفِ بے پایانِ تست
فکرِ ما پروردۂ احسانِ تست

ذکرِ تو سرمایۂ ذوق و سرور
قوم را دارد بہ فقر اندر غیور

اے مقام و منزلِ ہر راہ رو
جذبِ تو اندر دلِ ہر راہ رو

سازِ ما بے صوت گردید آں چناں
زخمہ بر رگہائے او آید گراں

در عجم گردیدم و ہم در عرب
مصطفیٰ ؐ نایاب و ارزاں بولہب

ایں مسلماں زادۂ روشن دماغ
ظلمت آباد ضمیرش بے چراغ

در جوانی نرم و نازک چوں حریر
آرزو در سینۂ او زود میر

ایں غلام ابنِ غلام ابنِ غلام
حُریت اندیشۂ او را حرام

مکتب از وے جذبۂ دیں در ربود
از وجودش ایں قدر دانم کہ بود

ایں ز خود بیگانہ ، ایں مستِ فرنگ
نانِ جو می‌خواہد از دستِ فرنگ

سجدہ افگن پیش پیراں ہم نہیں
گرم طوفِ قصرِ سلطاں ہم نہیں

ہے عنایت ہم پہ بے پایاں تری
فکر ہے پروردۂ احساں تری

ذکر تیرا مایۂ ذوق و سرور
فقر میں رکھتا ہے ملت کو غیور

اے مقام و منزلِ ہر راہ رو
جذب فرمائے دلِ ہر راہ رو

ہو گیا ہے ساز اپنا رائگاں
زخمہ اس کے تارِ رگ پر ہے گراں

میں نے دیکھے دونوں ایران و عرب
مصطفیٰ ص نایاب ، ارزاں بولہب

یہ مسلماں زادۂ روشن دماغ
اس کا ظلمت خانۂ دل بے چراغ

نوجوانی میں بھی مانندِ حریر
آرزو سینے میں اس کے زود میر

یہ غلام ، ابنِ غلام ، ابنِ غلام
حرّیت افکار کی اُس پر حرام

مکتب اس سے جذبۂ دیں لے گیا
تھا وجود اس کا جو اب عنقا ہوا

خود سے بیگانہ ہے یہ مستِ فرنگ
خواستگارِ نانِ جو پیشِ فرنگ

نان خرید این فاقه‌کش با جانِ پاک
داد مارا نالهٔ ہائے سوزناک

دانہ چیں مانندِ مرغان سراست
از فضائے نیلگون ناآشناست

شیخِ مکتب کم سواد و کم نظر
از مقامِ او نداد او را خبر

آتشِ افرنگیان بگداختش
یعنی این دوزخ دگرگون ساختش

مومن و از رمزِ مرگ آگاه نیست
در دلش "لاغالب الاّ الله" نیست

تا دلِ او درمیانِ سینه مرد
می نیندیشد مگر از خواب و خورد

بهرِ یک نان نشترِ لا و نعم
منّتِ صد کس برائے یک شکم

"قم باذنی" گوئے و او را زنده کن
در دلش الله هُو را زنده کن

از فرنگی می‌خرد لات و منات
مومن و اندیشهٔ او سومنات

ما ہمه افسونیٔ تہذیبِ غرب
کشتهٔ افرنگیان بے حرب و ضرب

تو ازان قومے که جام او شکست
وانما یک بندهٔ الله مست

نان کا جویا ہے پھر جانِ پاک
اُس کے لب پر نالہ ہائے سوزناک

دانہ چیں مانند مرغانِ سرا
نیلگوں پہنائی سے نا آشنا

شیخِ مکتب کم سواد و کم نظر
سب کو رکھتا ہے خودی سے بے خبر

آتشِ مغرب نے پگھلایا اسے
اس جہنم نے بدل ڈالا اسے

رمز سے یہ سوت کی آگہ نہیں
واقفِ "لا غالب الاّ اللہ" نہیں

جب سے دل سینے میں اس کے مر گیا
غیرِ خواب و خور نہیں کچھ سوچتا

بہر یک نان نشترِ لا و نعم
سو کاسہ کش برائے یک شکم

"قم باذنی" کہہ کے زندہ کر اُسے
قلب میں اللہ ھُو کا ذوق دے

وہ خریدے غرب سے لات و منات
ہے تو مومن، فکر لیکن سومنات

ہیں سبھی وارفتہ تہذیبِ غرب
کشتہ افرنگیاں بے حرب و ضرب

ایسی ملت جو ہے غرقابِ شکست
اس سے پیدا کر کوئی اللہ مست

"تا مسلمان باز بیند خویش را
از جهانے برگزیند خویش را"

شهسوارا ! یک نفس در کش عنان
حرفِ من آسان نیاید بر زبان

آرزو آید که ناید تا به لب ؟
می نه گردد شوق محکومِ ادب

آن بگوید لب کشا اے دردمند !
این بگوید چشم بکشا ، لب به بند

گردِ تو گردد حریمِ کائنات
از تو خواہم یک نگاہِ التفات

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

آہوے زار و زبون و ناتوان
کس به فتراکم نه بست اندر جہان

اے پناہِ من حریمِ کوئے تو
من باسیدے رمیدم سوئے تو

آن نوا در سینه پروردن کجا
وز دمے صد غنچه واکردن کجا

نغمۂ من در گلوئے من شکست
شعلۂ از سینه ام بیرون نجست

در نفس سوزِ جگر باقی نماند
لطفِ قرآنِ سحر باقی نماند

'تا مسلماں خود کو پھر سے جان لے
ذات کا اپنی وہ خود مرکز بنے'

روک لے اے شہسوار اک پل عناں
حرفِ حق کہنے سے ہے عاجز زباں

آرزو آئے نہ آئے تا بہ لب ؟
شوق کب ہوتا ہے محکومِ ادب

وہ کہے "لب کھول دے، پروا نہ کر"
یہ کہے "کھول آنکھ کو لب وا نہ کر"

گھومتی ہے گرد تیرے کائنات
ڈال دے مجھ پر نگاہِ التفات

ذکر و فکر و علم و عرفاں تو مرا
کشتی و دریا و طوفاں تو مرا

آہوئے زار و زبون و ناتواں
کون اسے فتراک میں باندھے یہاں؟

اے حریمِ کُو ترا ، ملجا مرا
ہے تری درگاہ میرا آسرا

اب کہاں سینے میں میرے وہ نوا
جس کے ہر اک دم سے سو غنچے ہوں وا

رہ گئی ہے حلق میں گُھٹ کر نوا
سوز سینے میں نہیں شعلہ نما

دم میں وہ سوزِ جگر باقی نہیں
'لطفِ قرآنِ سحر باقی نہیں

نالهٔ کو می نه گنجد در ضمیر
تا کجا در سینه ام ماند اسیر

یک فضائے بے کراں می بایدش
وسعتِ نُه آسمان می بایدش

آه زاں دردے که در جان و تن است
گوشهٔ چشمِ تو داروے من است

در نسازد با دوا ہا جانِ زار
تلخ و بویش بر مشامم نا گوار

کارِ ایں بیمار نتواں برد پیش
من چو طفلاں نالم از داروے خویش

تلخیٔ او را فریبم از شکر
خنده ہا در لب بدوزد چاره گر

چوں بصیری از تو می خواهم کشود
تا بمن باز آید آں روزے که بود

مہرِ تو بر عاصیاں افزوں تر است
در خطا بخشی چو مہرِ مادر است

با پرستارانِ شب دارم ستیز
باز روغن در چراغِ من بریز

اے وجودِ تو جہاں را نوبہار
پرتوِ خود را دریغ از من مدار

"خود بدانی قدرِ تن از جاں بود
قدرِ جاں از پرتوِ جاناں بود"

(رومی)

نالہ جو رہ رہ دل کے میں تلملائے
تابکے سینے سے وہ باہر نہ آئے

اس کو لازم ہے فضائے بےکراں
کم ہے اس کو وسعتِ نُہ آسماں

میرے جان و تن کا دردِ جاں گزا
تیری چشمِ التفات اس کی دوا

یہ دوائیں سب کی سب ناسازگار
تلخ بُو ان کی مشامِ جاں پہ بار

پائے کب آرام مجھ سا خستہ تن
ہوں دوا سے مثلِ طفلاں نالہ زن

ہوں شکر لیساں دوائے تلخ پر
زیرِ لب خندہ زناں ہے چارہ گر

ہو بصیری کی طرح میرا علاج
پھر سے کردے میری اصلاحِ مزاج

تیری شفقت ہے برائے عاصیاں
عفو میں مانندِ مادر مہرباں

شب پرستوں سے ہوں پیکار آزما
پھر دیئے کو میرے ہو روغن عطا

تیری ہستی سے ہے دنیا پر بہار
اپنے پرتو سے ہو مجھ پر فیض بار

جانتا ہے قدر تن کی جاں سے ہے
قدر جاں کی پرتوِ جاناں سے ہے

تا ز غیرالله ندارم ہیچ امید
یا مرا شمشیر گردان یا کلید

فکر من در فہم دیں چالاک و چست
تخمِ کردارے زخاکِ من نہ رُست

تیشہ ام را تیز تر گردان کہ من
محنتے دارم فزوں از کوہ کن

مومنم ، از خویشتن کافر نیم
بر فسانم زن کہ بدگوہر نیم

گرچہ کشتِ عمرِ من بے حاصل است
چیزکے دارم کہ نامِ او دل است

دارمش پوشیدہ از چشمِ جہان
کز سمِ شبدیزِ تو دارد نشان !

بندۂ را کو نخواہد ساز و برگ
زندگانی بے حضورِ خواجہ مرگ !

اے کہ دادی کُرد را سوزِ عرب
بندۂ خود را حضورِ خود طلب

بندۂ چون لالہ داغے در جگر
دوستانش از غمِ او بے خبر

بندۂ اندر جہاں نالاں چوں نے
تفتہ جاں از نغمہ ہائے بے بہ پے

در بیاباں مثلِ چوبِ نم سوز
کارواں بگذشت و من سوزم ہنوز !

تا نہ غیر اللہ سے رکھوں امید
یا مجھے خنجر بنا دے یا کلید

فکر ہے گو فہمِ دیں میں کامگار
خاک سے پھوٹا نہ لیکن تخمِ کار

تیز کر دے اور بھی تیشہ مرا
کوہکن سے ہے مری مشکل سوا

مردِ مومن ہوں، "خودی کافر" نہیں
آب دے مجھ کو کہ بدگوہر نہیں

گرچہ کشتِ عمر سے ہوں منفعل
ہے مگر حاصل ذرا سی چیز: دل!

اس کو رکھتا ہوں نگاہوں سے نہاں
اس پہ تیرے اسپ کے سُم کے نشاں

بندہ جو رکھتا نہیں ہے ساز و برگ
زیست اس کی بے حضورِ خواجہ مرگ

تو نے بخشا کُرد کو سوزِ عرب
کر لے بندے کو بھی پاس اپنے طلب

اُس کے دل پر داغ مثلِ لالہ ہیں
دھست اس کے حال سے بیگانہ ہیں

مثلِ نے دنیا میں ہے نالہ کناں
نغمہ ہائے پے بہ پے سے تفتہ جاں

دشت ہے مانندِ چوبِ نیم سوز
کارواں گزرا، وہ ہے سوزاں ہنوز

اندریں دشت و درے پهناورے
بو کہ آید کاروانے دیگرے

جاں ز مہجوری بنالد در بدن
نالہٴ من وائے من ! اے وائے من !

☆

شاید اس صحرا میں پھر گردش کناں
آن نکلے اور کوئی کارواں

جان مہجوری سے تن میں نالہ زن
میرا نالہ، وائے من ! اے وائے من !

☆

مثنوی

مسافر

بسم الله الرحمن الرحیم

نادرِ افغاں شہِ درویش خو
رحمتِ حق بر روانِ پاکِ او

کارِ ملت محکم از تدبیرِ او
حافظِ دینِ مبیں شمشیرِ او

چوں ابوذرؓ خود گداز اندر نماز
ضربتش ہنگامِ کیں خارا گداز!

عہدِ صدیقؓ از جمالش تازہ شد!
عہدِ فاروقؓ از جلالش تازہ شد!

از غمِ دیں در دلش چوں لالہ داغ
در شبِ خاور وجودِ او چراغ!

در نگاہش مستیٔ اربابِ ذوق
جوہرِ جانش سراپا جذب و شوق

خسروی شمشیر و درویشی نگہ
ہر دو گوہر از محیطِ لا الٰہ!

فقر و شاہی وارداتِ مصطفیٰؐ ست!
ایں تجلّیہائے ذاتِ مصطفیٰؐ ست!

نادر افغاں شہ نیکو سیر
رحمتِ حق اُس کی جانِ پاک پر

اُس کی تدبیروں سے ملت استوار
حافظِ دیں اُس کی تیغِ آبدار

مثلِ بوذرؓ خود گداز اُس کی نماز
ضرب ہنگامِ وغا خارا گداز

عہدِ صدیقی کا آئینہ جمال
عہدِ فاروقی کا صورت گر جلال

فکرِ دیں سے دل میں مثلِ لالہ داغ
کلبۂ تاریکِ مشرق کا چراغ

ہے نظر میں مستیٔ اربابِ ذوق
جوہرِ جاں اعتبارِ جذب و شوق

تیغ شاہانہ ، فقیرانہ نگہ
دونوں مروارید بحرِ لا الٰہ

فقر و شاہی وارداتِ مصطفیٰؐ
جلوہ ہائے پاکِ ذاتِ مصطفیٰؐ

این دو قوّت از وجودِ مومن است
این قیام و آن سجودِ مومن است

فقر سوز و درد و داغ و آرزوست
فقر را در خون تپیدن آبروست

فقرِ نادر آخر اندر خون تپید
آفرین بر فقرِ آن مردِ شهید!

اے صبا! اے رہ نوردِ تیزگام!
در طواف مرقدش نرمک خرام

شاہ در خواب است، پا آہستہ نہ
غنچہ را آہستہ تر بکشا گرہ

از حضورِ او مرا فرمان رسید
آنکہ جانِ تازہ در خاکم دمید

"سوختم از گرمیٔ آواز تو
اے خوش آن قومے کہ داند راز تو

از غمِ تو ملّت ما آشناست
می‌شناسیم این نواہا از کجاست

اے بآغوشِ سحابِ ما چو برق
روشن و تابندہ از نورِ تو شرق

یک زمان در کوہسارِ ما درخش
عشق را باز آن تب و تابے بہ بخش

تا کجا در بندہا باشی اسیر
تو کلیمی، راہِ سینائے بگیر!"

دونوں کا سرچشمہ مومن کا وجود
یہ قیام اُس کا ہے ، وہ اُس کا سجود

فقر ، سوز و درد و داغ و آرزو
لوٹتا خوں میں ہے اُس کی آبرو

فقرِ نادر غرقِ خوں ہو کر رہا
اس شہادت پر ہزاراں مرحبا

اے صبا ! اے رہ نوردِ تیزگام
طوفِ مرقد میں ہو آہستہ خرام

شاہ محوِ خواب ہیں ، چپکے سے آ
کر دے غنچے کی گرہ آہستہ وا

اُن کی حضرت سے مجھے فرماں ملا
خاک کو میری پیامِ جاں فزا

"کس قدر پُرسوز ہے تیری نوا
اے خوشا جو اس کے ہوں راز آشنا

جانتے ہیں ہم ترا دردِ نہاں
اس کا مخرج ہے نگاہوں پر عیاں

تو ہمارے بادلوں میں مثلِ برق
تیرے لمحوں سے فروزاں بامِ شرق

آ پہاڑوں میں ہمارے بھی چمک
عشق کو پھر بخش کوندے کی لپک

بند برپا تو رہے گا تابکے
تو ہے موسیٰ، تیری منزل طور ہے"

طے نمودم باغ و راغ و دشت و در
چوں صبا بگذشتم از کوہ و کمر

خیبر از مردانِ حق بیگانہ نیست
در دلِ او صد ہزار افسانہ ایست !

جادہ کم دیدم ازو پیچیدہ تر
یاوہ گردد در خم و پیچش نظر

سبزہ در دامان کہسارش مجوے
از ضمیرش بر نیاید رنگ و بوے

سرزمینے کبک او شاہیں مزاج
آہوئے او گیرد از شیراں خراج

در فضایش جُرّہ بازاں تیز چنگ
لرزہ بر تن از نہیبِ شاں پلنگ !

لیکن از بے مرکزی آشفتہ روز
بے نظام و ناتمام و نیم سوز !

فقر بازاں نیست در پروازِ شاں !
از تدرواں پست تر پروازِ شاں !

آہ قومے بے تب و تابِ حیات
روزگارش بے نصیب از واردات !

آں یکے اندر سجود ، ایں در قیام
کاروبارش چوں صلوتِ بے امام!

ریز ریز از سنگ او مینائے او
آہ ! از امروزِ بے فردائے او !

طے کیے سب باغ و راغ و دشت و در
کوہوں سے مثلِ صبا میرا گزر

خیبر اہلِ حق سے کب بیگانہ ہے
رازدارِ صد ہزار افسانہ ہے

راہ دیکھی اس سے کم پیچیدہ تر
پیچ و خم میں جس کے کھو جائے نظر

کب ہے کہساروں میں سبزے کی نمو
اس کی وادی بے نشانِ رنگ و بو

کبک اس خطے کے ہیں شاہیں مزاج
اس کے آہو شیر سے مانگیں خراج

شاہباز اس کی فضا میں تیز چنگ
لرزہ براندام ہوں جن سے پلنگ

پھر بھی ہے بے مرکزی سے تیرہ روز
بے نظام و ناتمام و نیم سوز!

باز ہیں بے کرّوفر پرواز میں
تیتروں سے پست تر پرواز میں

حیف ملّت بے تب و تابِ حیات
اس کا دامن بے نصیبِ واردات

کوئی سجدے میں، کوئی محوِ قیام
کاروبار اس کا صلوٰتِ بے امام!

پتھروں سے اس کا مینا چُور چُور
آہ! یہ امروز بے فردائے نور!

خطاب به اقوام سرحد

اے ز خود پوشیده، خود را بازیاب
در مسلمانی حرام است این حجاب!

رمزِ دینِ مصطفیٰ ص دانی که چیست
فاش دیدن خویش‌را شاهنشهی‌ست!

چیست دین؟ دریافتن اسرارِ خویش
زندگی مرگ است بے دیدارِ خویش

آن مسلمانے که بیند خویش را
از جهانے برگزیند خویش را

از ضمیرِ کائنات آگاه اوست
تیغ لَاْ مَوجُودَ اِلَّا اللّٰه اوست

در مکان و لامکان غوغائے او
نُه سپهر آواره در پهنائے او

تا دلش سرّے ز اسرارِ خداست
حیف اگر از خویشتن ناآشناست

بندهٔ حق وارثِ پیغمبران
او نگنجد در جهانِ دیگران

اقوامِ سرحد سے خطاب

ناشناسِ خود ہو پھر خود آشنا
ہے حجابِ اہلِ ایماں ناروا

جانتا ہے رمزِ دینِ مصطفیٰؐ
ہے شہی عرفان اپنی ذات کا

دین کیا ہے؟ معرفت ہے نفس کی
زندگی ہے موت بے خود آگہی

جو مسلماں ہو خودی کا رازداں
اس کے آگے ہیچ ہے سارا جہاں

ہے ضمیرِ دہر سے آگاہ وہ
تیغِ "لا موجودَ الّا اللہ" وہ

اُس کا ہنگامہ مکان و لامکاں
اس کی پہنائی میں گرداں آسماں

بسکہ دل ہے اس کا سرِ کبریا
حیف ہے گر خود سے ہو نا آشنا

بندۂ حق وارثِ پیغمبراں
کب ہو پابندِ جہانِ این و آں

تا جهانے دیگرے پیدا کند
این جهانِ کهنه را برهم زند

زنده مرد از غیرِ حق دارد فراغ
از خودی اندر وجودِ او چراغ !

پائے او محکم برزمِ خیر و شر
ذکرِ او شمشیر و فکرِ او سپر

صبحش از بانگے که برخیزد ز جان
نے ز نورِ آفتابِ خاوران !

فطرتِ او بے جهات اندر جهات
او حریم و در طوافش کائنات

ذرّهٔ از گردِ راهش آفتاب
شاهد آمد بر عروجِ او کتاب

فطرت او را کشاد از ملّت است!
چشمِ او روشن سواد از ملّت است!

اندکے گم شو بقرآن و خبر
باز اے نادان بخویش اندر نگر

در جهان آواره ، ای بیچاره ای
وحدتے گم کرده ای ، صد پاره ای

بندِ غیرالله اندر پائے تست
داغم از داغے که در سیمائے تست

میرِ خیل ! از مکرِ پنهانی بترس !
از ضیاعِ روحِ افغانی بترس !

وہ جہانِ تازہ آباداں کرے
اس جہانِ کہنہ کو ویراں کرے

زندہ انساں غیرِ حق سے با فراغ
اس کے سینے میں خودی روشن چراغ

رزمِ خیر و شر میں پاؤں استوار
فکر ڈھال اور ذکر تیغِ آب دار

بانگ دل سے اس کی صبحیں جلوہ تاب
بے نیازِ آب و تابِ آفتاب

فطرت اس کی بے نیازِ شش جہات
وہ حرم، گرد اُس کے گھومے کائنات

ذرّہ اُس کی گردِ رہ کا آفتاب
شاہد اس کی رفعتوں کی الکتاب

اس کی فطرت سے ہے ملّت کی کشاد
آنکھ اُس کی نور سے روشن سواد

محو قرآن و خبر میں ہو ذرا
اور پھر ہو جا خودی سے آشنا

کس لیے آوارہ و بے چارہ ہے ؟
دوریٔ وحدت سے پارہ پارہ ہے

پاؤں میں تیرے ہے بندِ ماسوا
حیف یہ داغِ جبیں آلاَ ترا !

میرِ خیل ! اس مکرِ پنہانی سے ڈر
اس ضیاعِ روحِ افغانی سے ڈر

ز آتشِ مردانِ حق می‌سوزمت
نکته‌ئی از پیرِ روم آموزمت

"رزق از حق، جو مجو از زید و عمر
مستی از حق جو، مجو از بنگ و خمر

گِل مخور، گِل را مخور، گِل را مجو
زانکه گِل خوار است دائم زرد رو

دل بجو تا جاودان باشی جوان
از تجلّی چهره ات چون ارغوان

بنده باش و بر زمین رَو چون سمند
چون جنازه نے کہ بر گردن برند!"

شکوه کم کن از سپهر لاجورد
جز بگردِ آفتابِ خود مگرد

از مقامِ ذوق و شوق آگاه شو
ذره ای؟ صیّادِ مهر و ماه شو

عالمِ موجود را اندازه کن
در جهانِ خود را بلند آوازه کن

برگ و سازِ کائنات از وحدت است
اندرین عالم حیات از وحدت است

در گذر از رنگ و بو هائے کهن
پاک شو از آرزوهائے کهن

این کهن سامان نیرزد با دو جو
نقش بندِ آرزوئے تازه شو

مرد حق کی آگ سے تجھ کو تپاؤں
مرشدِ رومی کا اک نکتہ سناؤں

"ہے خدا روزی رسانِ زید و عمر
مستِ مولا ہو، نہ مستِ بنگ و خمر

گل نہ لے گل کو نہ کھا گِل کو نہ چاہ
اس کی صورت زرد، حالت ہے تباہ

دل طلب کر تا کہ ہو دائم جواں
رخ تجلّی سے ہو تیرا ارغواں

بندہ بن کر چل مثالِ راہوار
لاش کی صورت نہ ہو دنیا پہ بار"

شکوہ سنجِ گردشِ گردوں ہے کیا
کر طواف اپنی خودی کے مہر کا

اعتبارِ شوق سے آگاہ ہو
ذرّہ ہے؟ صیّادِ مہر و ماہ ہو

عالمِ موجود کا اندازہ کر
دہر میں خود کو بلند آوازہ کر

نقشِ وحدت برگ و سازِ کائنات
ہے اسی کے دم سے تقدیرِ حیات

چھوڑ دے یہ رنگ و بو ہائے کہن
چھوڑ ذوقِ آرزوہائے کہن

اس متاعِ کہنہ سے بیگانہ ہو
نقش بندِ آرزوئے تازہ ہو

زندگی بی آرزو دارد اساس
خویش را از آرزوئے خود شناس

چشم و گوش و ہوش تیز از آرزو
مشتِ خاکے لالہ خیز از آرزو

ہر کہ تخمِ آرزو در دل نہ کشت
پائمالِ دیگراں چوں سنگ و خشت!

آرزو سرمایۂ سلطان و میر
آرزو جامِ جہاں بینِ فقیر

آب و گل را آرزو آدم کند
آرزو ما را ز خود محرم کند

چوں شرر از خاکِ ما بر می‌جہد
ذرہ را پہنائے گردوں می دہد!

پورِ آزر کعبہ را تعمیر کرد
از نگاہے خاک را اکسیر کرد

تو خودی اندر بدن تعمیر کن
مشتِ خاکِ خویش را اکسیر کن

☆

آرزو پر زندگی کی ہے اساس
آرزو ہی سے ہو اپنی خود شناس

آرزو سے چشم و گوش و ہوش تیز
مشتِ خاک اس کی بدولت لالہ خیز

جو نہ تخمِ آرزو کو دل میں بوئے
اینٹ پتھر بن کے اپنی آب کھوئے

آرزو سرمایۂ سلطان و میر
آرزو جامِ جہاں بینِ فقیر

آرزو سے آب و گِل آدم ہوا
بندہ اپنے آپ سے محرم ہوا

گر شرار اُٹھے ہماری خاک سے
ذرہ افزوں ہو کہیں افلاک سے

پورِ آزر بانیٔ کعبہ ہوا
خاک کو اس نے بنایا کیمیا

تو بھی قالب میں خودی تعمیر کر
اپنی مشتِ خاک کو اکسیر کر

☆

مسافر وارد می‌شود به شهر کابل
و حاضر می‌شود بحضورِ اعلیٰحضرتِ شهید

شهرِ کابل ! خطهٔ جنّت نظیر
آبِ حیوان از رگِ تاکش بگیر !

چشمِ صائب از سوادش سرمه چین
روشن و پاینده باد آن سرزمین

در ظلامِ شب سمن زارش نگر
بر بساطِ سبزه می غلطد سحر !

آن دیارِ خوش سواد آن پاک بوم
بادِ او خوشتر ز بادِ شام و روم

آبِ او برّاق و خاکش تابناک
زنده از موجِ نسیمش مرده خاک

ناید اندر حرف و صوت اسرارِ او
آفتابان خفته در کهسارِ او

ساکنانش سیرچشم و خوش گهر
مثلِ تیغ از جوهرِ خود بے خبر !

اعلیٰ حضرت نادر خاں شہید
کی بارگاہ میں

شہر کابل خطۂ جنّت نما
ہے رگِ تاک اس کی پُرآبِ بقا

خاک سے اُس کی ہے صائب[1] سرمہ چیں
تا ابد پایندہ اُس کی سرزمیں

رات تختے چمپا کے جادو اثر
سیج پر سبزے کی غلطاں ہے سحر

وہ دیارِ خوش سواد و پاک بوم
وہ ہوا خوشتر ز بادِ شام و روم

پانی برّاق اور مٹی تاب ناک
زندہ اعجازِ ہوا سے مردہ خاک

ماورائے حرف و صوت اس کے رموز
خفتہ سورج دامنِ کہسار میں ہنوز

اُس کے ساکن سیہ چشم و خوش گہر
تیغ وش جوہر سے اپنے بے خبر

۱- خوشا وقتے کہ چشمم از سوادش سرمہ چیں گردد (صائب)

قصرِ سلطانی کہ نامش دل کشاست
زائراں را گردِ راہش کیمیاست

شاہ را دیدم دراں کاخِ بلند
پیشِ سلطانے ، فقیرے دردمند !

خُلقِ او اقلیمِ دلہا را کشود
رسم و آئینِ مَلوک آنجا نہ بود

من حضورِ آں شہِ والا گہر
بے نوا مردے بہ دربارِ عمرؓ

جانم از سوزِ کلامش در گداز
دستِ او بوسیدم از راہِ نیاز

پادشاہے خوش کلام و سادہ پوش
سخت کوش و نرم خوے و گرم جوش

صدق و اخلاص از نگاہش آشکار
دین و دولت از وجودش استوار

خاکی و از نوریاں پاکیزہ تر
از مقامِ فقر و شاہی باخبر

در نگاہش روزگار شرق و غرب
حکمتِ او رازدار شرق و غرب

شہریارے چوں حکیماں نکتہ داں
رازدانِ مدّ و جزرِ اُمتاں

پردہ ہا از طلعتِ معنی کشود
نکتہ ہائے ملک و دیں را وا نمود

شاہ کا قصرِ معلّیٰ "دلکشا"
جس کی گردِ راہ مثلِ کیمیا

اُس میں میرا شہ سے قربِ با صفا
پیشِ سلطاں اک فقیرِ بے نوا

فاتحِ اقلیمِ دل، بندہ نواز
رسم و آئینِ شہاں سے بے نیاز

میں حضورِ خسروِ والا گہر
بے نوا جیسے بہ دربارِ عمر

بسکہ تھا سوزِ تکلم دل نواز
ہاتھ چومے میں نے از راہِ نیاز

ایسا شاہِ خوش کلام و سادہ پوش
سخت کوش و نرم خو و گرم جوش

صدق و اخلاص اس کے رخ سے آشکار
دین و دولت اُس کے دم سے استوار

نوریوں سے بھی وہ خاکی خوب تر
رتبۂ فقر و شہی سے با خبر

اُسکی نظروں میں جہان شرق و غرب
اُسکی حکمت رازدانِ شرق و غرب

بادشہ مثلِ حکیماں نکتہ داں
رازدارِ سد و جزرِ اُمتاں

صورتِ معنی سے پردہ کھینچ کے
رازہائے ملک و دیں وا کردیے

گفت ازاں آتش کہ داری در بدن
من ترا دانم عزیزِ خویشتن

ہر کہ او را از محبّت رنگ و بوست
در نگاہم ہاشم و محمود اوست

در حضور آں مسلمانِ کریم
ہدیہ آوردم ز قرآنِ عظیم

گفتم این سرمایۂ اہلِ حق است
در ضمیرِ او حیاتِ مطلق است

اندرو ہر ابتدا را انتہا است
حیدر از نیروے او خیبر کشا است

نشتۂ حرفم بخون او دوید
دانہ دانہ اشک از چشمش چکید

گفت "نادر در جہاں بے چارہ بود
از غمِ دین و وطن آوارہ بود

کوہ و دشت از اضطرابم بے خبر
از غمانِ بے حسابم بے خبر

نالہ با بانگِ ہزار آمیختم
اشک با جوئے بہار آمیختم

غیرِ قرآں غمگسارِ من نہ بود
قوتش ہر باب را بر من کشود"

گفتگوئے خسروِ والا نژاد
باز با من جذبۂ سرشار داد

یہ کہا "جو شعلہ ہے دل میں ترے
اُس کی خاطر دوست رکھتا ہوں تجھے

جن میں رنگ و بو محبت کا ملے
ہاشم و محمود ہیں میرے لیے"

پیشکش میری بہ سلطان زعیم
با ہمہ آداب، قرآنِ کریم

"اہلِ حق کی بس یہی ہے کائنات
اس کے سینے میں نہاں عینِ حیات

اس میں ہر اک ابتدا کی انتہا
حیدر اس کے زور سے خیبر کشا"

میرے بول ایسے اثرانگیز تھے
سن کے آنسو ٹپکے اُن کی آنکھ سے

بولے "میں اس دہر میں لاچار تھا
دل غمِ دین و وطن سے زار تھا

جانیں کوہ و دشت کیا یہ اضطراب
وہ کہاں اور میرا دردِ بے حساب

بلبلوں کی طرح میں تھا نالہ خیز
مثلِ جوئے نوبہاراں اشک ریز

غیرِ قرآں کون ہوتا غمگسار
جس نے کی ہر بات مجھ پر آشکار"

تھا کلامِ خسروِ والا مقام
جس نے پھر بخشا مجھے جذبِ تمام

وقتِ عصر آمد صدائے الصّلوٰت
آں کہ مومن را کند پاک از جہات

انتہائے عاشقاں سوز و گداز
کردم اندر اقتدائے او نماز

رازہائے آں قیام و آں سجود
جز بہ بزمِ محرماں نتواں کشود!

☆

کتب خانہ انجمن ترقی اردو (ہند)
نئی دہلی

وقتِ عصر آئی صدائے الصلٰوت
جو کرے مومن کو آزادِ جہات!

انتہائے عاشقاں سوز و گداز
کی ادا اُس کی امامت میں نماز

اس قیام و سجدہ کا سوز و گداز
کون پا سکتا ہے جز دانائے راز

☆

بر مزارِ شهنشاه بابر خلد آشیانی

بیا که سازِ فرنگ از نوا برافتاد است
درونِ پردهٔ او نغمه نیست ، فریاد است !

زمانه کهنه بتان را هزار بار آراست
من از حرم نگذشتم که پخته بنیاد است

درفشِ ملّتِ عثمانیان دوباره بلند
چه گویمت که بہ تیموریان چه افتاد است !

خوشا نصیب که خاک تو آرمید این جا
که این زمین ز طلسمِ فرنگ آزاد است !

هزار مرتبه کابل نکوتر از دلّی است
"که آن عجوزه عروسِ هزار داماد است"

درونِ دیده نگه دارم اشکِ خونین را
که من فقیرم و این دولتِ خداداد است !

اگرچه پیرِ حرم وردِ لاالٰه دارد
کجا نگاه که بُرّنده تر ز پولاد است !

☆

شاہ بابر خلد آشیانی کے مزار پر

اُٹھو کہ بربطِ افرنگ ہو گیا برباد
ہیں اُس کے پردوں میں نغمے کہاں، فقط فریاد!

جہاں پرانے بتوں کو ہزار بار سجائے
حرم کو چھوڑ دوں کیسے کہ ہے وہ پختہ نہاد

درفشِ ملّتِ عثمانیاں بلند ہے پھر
سناؤں کیا، پڑی تیموریوں پہ ہے اُفتاد

زہے نصیب! ترا جسم یاں ہے آسودہ
کہ یہ زمیں ہے طلسمِ فرنگ سے آزاد

ہزار مرتبہ بہتر ہے دلّی سے کابل
عجوزہ ہے وہ عروسِ ہزار ہا داماد

رکھا ہے سینت کے آنکھوں میں اشک خونیں کو
کہ میں فقیر، یہ جنسِ گراسیٔ حق داد

ہزار پیرِ حرم وردِ لا الٰہ کرے
نگاہ تیز کہاں مثلِ نشترِ فولاد!

☆

سفر به غزنی و زیارتِ مزارِ حکیم سنائی

از نوازش ہائے سلطانِ شہید
صبح و شامم، صبح و شامِ روزِ عید

نکته سنجِ خاوران ہندی فقیر
میہمانِ خسروِ کیواں سریر!

تا ز شہرِ خسروی کردم سفر
شد سفر بر من سبک تر از حضر

سینه بکشادم بآن بادے که پار
لاله رُست از فیضِ او در کوہسار

آه! غزنی آن حریمِ علم و فن
مرغزارِ شیر مردانِ کہن

دولتِ محمود را زیبا عروس
از حنابندانِ او دانائے طوس!

خفته در خاکش حکیمِ غزنوی
از نوائے او دلِ مردان قوی

آن 'حکیمِ غیب' آن صاحب مقام
'ترک جوشِ' رومی از ذکرش تمام

غزنی کا سفر اور حکیم سنائی کی زیارت

وہ نوازش ہائے سلطانِ شہید
میری صبح و شام، صبح و شامِ عید

نکتہ سنجِ خاوراں ہندی فقیر
میہمانِ خسروِ کیواں سریر

قصرِ شاہی سے جو تھا میرا سفر
تھا حضر سے بھی مجھے آسان تر

پارسال اس کی ہوائے خوش گوار
کر گئی کہسار سارا لالہ زار

آہ وہ غزنی حریمِ علم و فن
مرغزارِ شیر مردانِ کہن

دولتِ محمود کی زیبا عروس
تھا ہنرمندوں میں جس کی بطلِ طوس

جس میں آسودہ حکیمِ غزنوی
جس کے نغموں سے دلِ مرداں قوی

وہ 'حکیمِ غیب' وہ عالی مقام
'ترک جوشِ' رومی اس سے شاد کام

من ز 'پیدا' او ز 'پنهان' در سرور
هر دو را سرمایه از ذوقِ حضور

او نقاب از چهرهٔ ایمان گشود
فکرِ من تقدیرِ مومن وا نمود

هر دو را از حکمتِ قرآن سبق
او ز حق گوید، من از مردانِ حق

در فضائے مرقدِ او سوختم
تا متاعِ نالهٔ اندوختم

گفتم اے بینندهٔ اسرار جان
بر تو روشن این جهان و آن جهان

عصرِ ما وارفتهٔ آب و گل است
اہلِ حق را مشکل اندر مشکل است

مومن از افرنگیان دید آنچه دید
فتنه ہا اندر حرم آمد پدید

تا نگاهِ او ادب از دل نخورد
چشمِ او را جلوهٔ افرنگ برد

اے 'حکیمِ غیب' امامِ عارفان
پخته از فیضِ تو خامِ عارفان

آنچه اندر پردهٔ غیب است گوے
بو که آبِ رفته باز آید بجوے

☆

مجھ کو ، ظاہر اُس کو باطن سے سرور
دونوں کا سرمایہ اک ذوقِ حضور

اُس نے اُلٹی روئے ایماں سے نقاب
میں نے کی تقدیرِ مومن بے حجاب

حکمتِ قرآں سے دونوں کا سبق
اُس کا میداں حق ، مرا مردانِ حق

اُس کے مرقد کی فضا پُرسوز و تاب
تھا متاعِ نالہ سے دل بہرہ یاب

میں نے پوچھا: محرمِ اسرارِ جاں
آشکارا تجھ پہ ہیں دونوں جہاں

دورِ حاضر ہے فدائے آب و گِل
مشکلیں ہیں اہلِ حق کی جاں گسل

کھائی مسلم ہی نے افرنگی سے مار
ہے حرم میں بھی تو پیدا خلفشار

جب سے چھوڑا دل نے آدابِ نگاہ
جلوۂ مغرب نے لی آنکھوں کی راہ

اے حکیمِ غیب ، امامِ عارفاں
تیرے دم سے پختہ خامِ عارفاں

غیب کے پردے میں ہے جو کچھ، بتا
تا ہو آبِ رفتہ پھر جُو آشنا

☆

روحِ حکیم سنائی از بهشتِ برین جواب می دهد

رازدانِ خیر و شر گشتم ز فقر
زنده و صاحب نظر گشتم ز فقر

یعنی آن فقرے که داند راه را
بیند از نورِ خودی الله را

اندرونِ خویش جوید لاَ الٰه
در تهِ شمشیر گوید لاَ الٰه

فکرِ جان کن ، چون زنان بر تن متن
همچو مردان گوے در میدان فگن

سلطنت اندر جهانِ آب و گل
قیمتِ او قطرهٔ از خونِ دل

سومنات زیرِ سپهرِ لاجورد
زنده از عشق اندونے از خواب و خورد

می ندانی عشق و مستی از کجاست ؟
این شعاعِ آفتابِ مصطفیٰ ص ست

زنده ای تا سوزِ او در جانِ تست
این نگه دارندهٔ ایمانِ تست

خلدِ بریں سے حکیم سنائی کی روح کا جواب

فقر سے ہوں رازدانِ خیر و شر
فقر نے مجھ کو کیا صاحب نظر

فقر ایسا جو بتائے راہ کو
دے دکھا نورِ خودی اللہ کو

دل کے اندر اپنے پائے لاَ الٰہ

زیرِ خنجر لب پہ آئے لاَ الٰہ

ہے تری زیبائشِ تن کارِ زن
جان کی بازی لگا مردانہ بن

سطوتِ دنیائے آب و گل ہے کیا
ایک قطرہ خونِ دل اس کی بہا ۱۳۰

عشق سے ہے مومنوں کی زندگی
خواب و خور سے وہ نہیں ملتی کبھی

عشق و سرمستی کا سرچشمہ ہے کیا
جلوہ زارِ آفتابِ مصطفیٰ ﷺ

سوز سے اس کے بدن میں جان ہے
یہ نگہ دارندۂ ایمان ہے

باخبر شو از رموزِ آب و گِل
پس بزن بر آب و گِل اکسیرِ دل

دل ز دیں سرچشمۂ ہر قوّت است
دیں ہمہ از معجزاتِ صحبت است

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب ، دیں از نظر

بو علی دانندۂ آب و گِل است
بے خبر از خستگیہائے دل است

نیش و نوشِ بو علی سینا بہل
چارہ سازیہائے دل از اہلِ دل

مصطفیٰ ص بحر است و موجِ او بلند
خیز و ایں دریا بجوئے خویش بند

مدّتے بر ساحلش پیچیدہ ای
لطمہ ہائے موجِ او نادیدہ ای !

یک زماں خود را بدریا در فگن
تا روانِ رفتہ باز آید بہ تن

اے مسلماں ! جز براہِ حق مرو
نا امید از رحمتِ عامے مشو

پردہ بگذار ، آشکارائی گزیں
تا بہ لرزد از سجودِ تو زمیں

دوش دیدم فطرتِ بیتاب را
روحِ آں ہنگامۂ اسباب را

پہلے ہو رمزِ آشنائے آب و گل
اور پھر اُن پر چھڑک اکسیرِ دل

دل کی ہر قوت کا سرچشمہ ہو دیں
صحبتِ مرداں ہے شرطِ اوّلیں

دیں کتابوں میں کہاں اے بے خبر
علم و حکمت ان میں، دیں فیضِ نظر

بوعلی ہے آشنائے آب و گل
کیا خبر اس کو کہ ہے کیا سوزِ دل

نیش و نوش بوعلی سینا غلط
چارہ سازِ دلؔ ہیں اہلِ دل فقط

مصطفیٰ بحر، اُس کی موجیں سربلند
اس کی موجیں اپنی جُو میں کر بلند

مدتوں سے ہے تو ساحل پر کھڑا
لطمہ ہائے موج سے نا آشنا

اک ذرا دریا میں خود کو ڈال دے
تاکہ جانِ رفتہ واپس آ سکے

کر مسلماں جادۂ حق اختیار
رحمتِ باری کا رہ امیدوار

آشکارا ہو، نہ بن خلوت نشیں
لرزہ ساماں کر دے سجدوں سے زمیں

میں نے دیکھا فطرتِ بے تاب کو
باعثِ ہنگامۂ اسباب کو

چشمِ او بر زشت و خوبِ کائنات
در نگاهِ او غیوبِ کائنات

دستِ او با آب و خاک اندر ستیز
آں بہم پیوستہ و ایں ریز ریز

گفتمش در جستجوئے کیستی ؟
در تلاشِ تار و پوئے کیستی ؟

گفت از حکمِ خدائے ذوالمنن
آدمے نو سازم از خاکِ کہن

مشتِ خاکے را بصد رنگ آزمود
پے بہ پے تابید و سنجید و فزود

آخر او را آب و رنگِ لالہ داد
لاَ الہٰ اندر ضمیرِ او نہاد

باش تا بینی بہارِ دیگرے
از بہارِ پاستاں رنگیں ترے

ہر زماں تدبیر ہا دارد رقیب
تا نگیری از بہارِ خود نصیب

ہر درونِ شاخِ گل دارم نظر
غنچہ ہا را دیدہ ام اندر سفر !

لالہ را در وادی و کوہ و دمن
از دمیدن باز نتواں داشتن

بشنود مردے کہ صاحب جستجواست
نغمہ را کو ہنوز اندر گلو است !

صیرفیٔ زشت و خوبِ کائنات
چشمِ بینائے غیوبِ کائنات

ہاتھ آب و گل سے محوِ کارزار
وہ بہم پیوستہ ، یہ سب تار تار

میں نے پوچھا ہے تجھے کیا جستجو
کس کے تار و پود میں اُلجھی ہے تو

بولی فطرت یہ ہے منشائے خدا
خاکِ کہنہ سے بنے آدم نیا

جائزے اک مشتِ خاکی کے لیے
جانچا ، تولا اور اَبھارا پھر اُسے

آب و رنگِ لالہ کا پیکر دیا
لَا الٰہ کا نور اُس میں بھر دیا

اس بہارِ تازہ کا کر انتظار
جو بہاروں میں ہے رنگیں تر بہار

ہر نفس کرتا ہے تدبیرِ رقیب
تا کہ اس رُت سے رہے تو بے نصیب

شاخِ گل پر کی ہے جب میں نے نظر
غنچوں کو دیکھا ہے سرگرمِ سفر

وادی و کوہ و دمن میں تابکے
لالہ کے غنچے رہیں گے بِن کھلے

سن رہے ہیں اب بھی اہلِ جستجو
نغمۂ خوابیدۂ سازِ گلو !

بر مزارِ سلطان محمود علیه الرحمه

خیزد از دل نالہ ہا بے اختیار
آہ ! آں شہرے کہ اینجا بود پار !

آں دیار و کاخ و کو ویرانہ ایست
آں شکوہ و فال و فر افسانہ ایست

گنبدے ! در طوفِ او چرخِ بریں
تربتِ سلطان محمودؒ است ایں !

آنکہ چوں کودک لب از کوثر بشست
گفت در گہوارہ نامِ او نخست

برقِ سوزاں تیغِ بے زنہارِ او
دشت و در لرزندہ از یلغارِ او

زیرِ گردوں آیت اللہ رائتش
قدسیاں قرآں سرا بر تربتش

شوخیٔ فکرم مرا از من ربود
تا نبودم در جہانِ دیر و زود

رخ نمود از سینہ ام آں آفتاب
پردگیہا از فروغش بے حجاب

سلطان محمود کے مزار پر

اُٹھتی ہے دل سے فغاں بے اختیار
ہائے وہ غزنی ، وہ دیرینہ دیار !

وہ دیار و کاخ و کو ویرانہ ہیں
سطوت و جاہ و حشم افسانہ ہیں !

ہے یہ اک گنبد مطافِ آسماں
تربتِ محمود سلطانِ کلاں

طفل ہو کوثر سے جب پاکیزہ کام
مہد میں لیتا ہے پہلے اُس کا نام

کوندے لپکیں تیغِ بے زنہار سے
کپکپائیں دشت و در یلغار سے ١٦٠

اُس کا پرچم بسکہ تھا حق کا نشاں
قبر میں ہیں قدسیاں قرآن خواں

میں تفکّر میں کچھ ایسا گم ہوا
اس جہاں سے بھی نکل آگے گیا

میرے سینے سے وہ اُبھرا آفتاب
ہوگئے سب رازِ پنہاں بے حجاب

مهر گردوں از جلالش در رکوع
از شعاعش دوش می‌گردد طلوع!

واریدم از جهانِ چشم و گوش
فاش چوں امروز دیدم صبحِ دوش

شهر غزنیں! یک بهشتِ رنگ و بو
آبجوها نغمه خواں در کاخ و کو

قصرهائے او قطار اندر قطار
آسماں با قبه‌هایش هم کنار

نکته سنجِ طوس را دیدم ببزم
لشکرِ محمود را دیدم برزم

روح سیرِ عالمِ اسرار کرد
تا مرا شوریدهٔ بیدار کرد

آں همه مشتاق و سوز و سرور
در سخن چوں رندِ بے پروا جسور

تخمِ اشکے اندراں ویرانه کاشت
گفتگوها با خدائے خویش داشت

تا نبودم بے خبر از رازِ او
سوختم از گرمیٔ آوازِ او

☆

اُس کے آگے سپہرِ گردوں سجدہ کوش
اُس کی کرنوں سے طلوعِ صبحِ دوش

میں ہوا آزاد بند چشم و گوش
مثلِ امروز اُسکے جلووں میں ہے دوش

شہرِ غزنی ہے بہشتِ رنگ و بو
نغمہ خواں نہریں درونِ کاخ و کو

قصرِ بے پایاں قطار اندر قطار
ہے فلک قبّوں سے جن کے ہمکنار

نکتہ سنجِ طوس دیکھا بزم میں
لشکرِ محمود دیکھا رزم میں

عالمِ اسرار میں کھویا رہا
مجھ کو اک شوریدہ نے چونکا دیا

با دلِ مشتاق و پُرسوز و سرور
صورتِ رندانِ بے پروا جسور

تخم ریزِ اشکِ پیہم سو بسو
اپنے رب کے ساتھ محوِ گفتگو

بے خبر تھا بسکہ اُس کے راز سے
جل اُٹھا دل گرمیٔ آواز سے

☆

مناجاتِ مردِ شوریده در ویرانهٔ غزنی

لاله بهرِ یک شعاعِ آفتاب
دارد اندر شاخ چندیں پیچ و تاب

چوں بہار او را کند عریان و فاش
گویدش جز یک نفس اینجا مباش !

ہر دو آمد یک دگر را ساز و برگ
من ندانم زندگی خوشتر که مرگ !

زندگی پیہم مصافِ نیش و نوش
رنگ و نم امروز را از خونِ دوش !

الاماں از مکرِ ایّام الاماں
الاماں از صبح و از شام الاماں !

اے خدائے نقشبند جان و تن
با تو ایں شوریده دارد یک سخن

فتنہ ہا بینم دریں دیرِ کہن
فتنہ ہا در خلوت و در انجمن

عالم از تقدیرِ تو آمد پدید
یا خدائے دیگر او را آفرید !

ویرانۂ غزنی میں ایک شوریدہ سر
کی مناجات

لالہ بھر یک شعاعِ آفتاب
شاخ میں رہتا ہے وقفِ پیچ و تاب

جب نمایاں کرتی ہے اُس کو بہار
کہتی ہے دم بھر کو یاں کرلے قرار

مرگ و ہستی کا ہے باہم ساز و برگ
کیا کہوں ہے زندگی خوشتر کہ مرگ

زندگی ہے ہم مصافِ نیش و نوش
رونقِ امروز کیا ہے خونِ دوش

الاماں یہ مکرِ ایّام الاماں
الاماں یہ صبح ، یہ شام الاماں !

اے خدا ! اے نقش بندِ جان و تن
کرتا ہے دیوانہ یک عرضِ سخن

فتنہ در فتنہ ہے یہ دیرِ کہن
گوشۂ خلوت ہو یا ہو انجمن

یہ تری تقدیر سے پیدا ہوا
یا تھا کوئی اور ہی اس کا خدا !

ظاہرش صلح و صفا ، باطن ستیز
اہلِ دل را شیشهٔ دل ریز ریز !

صدق و اخلاص و صفا باقی نماند
"آن قدح بشکست و آن ساقی نماند"

چشمِ تو بر لاله رویانِ فرنگ
آدم از افسونِ شان بے آب و رنگ

از کہ گیرد ربط و ضبط ایں کائنات ؟
اے شهیدِ عشوهٔ لات و منات !

مردِ حق آن بندهٔ روشن نفس
نائبِ تو در جہاں او بود و بس

او بہ بندِ نقرہ و فرزند و زن
گر توانی سومناتِ او شکن

ایں مسلماں از پرستاران کیست ؟
در گریبانش یکے ہنگامہ نیست !

سینہ اش بے سوز و جانش بے خروش
او سرافیل است و صورِ او خموش !

قلبِ او نامحکم و جانش نژند
در جہاں کالاے او ناارجمند

در مصافِ زندگانی بے ثبات
دارد اندر آستیں لات و منات

مرگ را چوں کافراں داند ہلاک
آتشِ او کم بہا ، مانندِ خاک !

ظاہرا صلح و صفا ، باطن فتور
اہلِ دل کا شیشۂ جاں چور چور

صدق و اخلاص و وفا کوئی نہیں
وہ قدح ٹوٹا ، وہ ساقی ہی نہیں

آنکھ محوِ لالہ رویانِ فرنگ
جن کے افسوں سے بشر بے آب و رنگ

کس سے ہے یہ ربط و ضبطِ کائنات
اے شہیدِ عشوۂ لات و منات ؟

مردِ مومن ، بندۂ روشن نفس
تھا وہی نائب ترا دنیا میں بس

نقرہ و فرزند و زن کی قید کے
تو جو چاہے توڑ دے سب بتکدے

کس خدا پر ہے مسلماں کا یقین
کوئی شورش اس کے سینے میں نہیں

دل ہے بے سوز و تپش ، جاں بے خروش
ہے سرافیل اور صور اس کا خموش

قلب نا محکم تو جاں زار و نژند
سایہ اُس کا دہر میں ناارجمند

زندگی کی کشمکش میں بے ثبات
آستیں میں خفیہ صد لات و منات

مثلِ کافر موت کو جانے فنا
مثلِ خاک آتش ہے اُس کی کم بہا

شعلهٔ از خاکِ او باز آفرین
آن طلب، آن جستجو باز آفرین

باز جذبِ اندرون او را بده
آن جنونِ ذو فنون او را بده

شرق را کن از وجودش استوار
صبحِ فردا از گریبانش برار!

بحرِ احمر را بچوبِ او شگاف
از شکوهش لرزهٔ افگن به قاف!

☆

کر دے اُس کی خاک کو پھر شعلہ خیز
پھر وہی ذوقِ طلب کر جلوہ ریز

پھر عطا ہو اس کو جذبِ اندروں
پھر ودیعت ہو جنونِ ذو فنوں

اس کے دم سے شرق کو کر استوار
جیب سے ہو صبحِ فردا آشکار

بحرِ احمر ضرب سے ہو واشگاف
اس کی شوکت سے ہو لرزاں کوہ قاف

☆

قندهار و زیارتِ خرقهٔ مبارک

قندہار آن کشور مینو سواد
اہلِ دل را خاکِ او خاکِ مراد

رنگہا ، بُوہا ، ہواہا ، آبہا
آبہا تابندہ چون سیمابہا

لالہہا در خلوتِ کہسارہا
نارہا یخ بستہ اندر نارہا

کوی آن شہر است ما را کوی دوست
ساربان بربند محمل سوی دوست

می سرایم دیگر از یارانِ نجد
از نوائی ناقہ را آرم بوجد !

☆

قندھار میں خرقۂ مبارک کی زیارت

شہرِ قندھار، اے دیارِ خلد زاد
سرزمینِ اہلِ دل، خاکِ مراد

رنگ، خوشبوئیں، ہوائیں، چشمہ سار
پانی کی چھل بل ہے یا پارے کی دھار

لالے یوں ہیں خلوتِ کہسار میں
آگ ہو یخ بستہ جیسے نار میں

کوچے ہیں اس کے مثالِ کوئے دوست
سارباں محمل کو لے چل سوئے دوست

چھیڑ کر پھر نغمۂ یارانِ نجد
کرتا ہوں ناقہ کو محوِ کیف و وجد ۲۰۰

☆

غزل

از دیرِ مغان آیم بے گردش صہبا مست!
در منزلِ لا بودم از بادۂ الّا مست!

دانم کہ نگاہِ او ظرفِ ہمہ کس بیند!
کرد است مرا ساقی از عشوہ و ایما مست!

وقت است کہ بکشایم میخانۂ رومی باز
پیرانِ حرم دیدم در صحنِ کلیسا مست!

این کارِ حکیمے نیست، دامانِ کلیمے گیر
صد بندۂ ساحل مست، یک بندۂ دریا مست!

دل را بچمن بردم، از بادِ چمن افسرد
میرد بہ خیاباں ہا ایں لالۂ صحرا مست!

از حرفِ دلآویزش اسرارِ حرم پیدا
دی کافرکے دیدم در وادیٔ بطحا مست!

سینا است کہ فاران است یارب چہ مقام است ایں؟
ہر ذرّۂ خاکِ من چشمے است تماشا مست!

غزل

میں دیرِ مغاں سے آتا ہوں بے گردشِ جامِ صہبا مست
تھا منزلِ لَا میں سر تا سر، میں بادۂ تندِ الّا مست

میں جانتا ہوں وہ دیکھتا ہے ہر ایک طرف، ہر ایک کا ظرف
ساقی نے مجھے کر ڈالا ہے مخمورِ ادا و ایما مست

اب وقت ہے وقت کہ ساقی کے میخانے کا در پھر باز کریں
پیرانِ حرم کو دیکھ لیا افتادہ بہ صحنِ کلیسا مست

یہ کام نہیں فرزانوں کا، دامانِ کلیم کو تھام ذرا
سو بندۂ ساحل مست اُدھر، یاں ایک ہی بندۂ دریا مست!

میں دل کو چمن میں لیکے گیا، وہ بادِ چمن سے کملایا
مرجھایا خیاباں میں جا کر یہ لالہ تھا بسکہ صحرا مست

تھا جس کا کلامِ روح فزا، اسرارِ حرم کا پردہ کشا
کل میں نے عجب کافر دیکھا، اک کافر وادیٔ بطحا مست

سینا ہے کہ کوہِ فاراں ہے، یارب یہ مقامِ عالی بھی
ہر ذرّۂ خاک ہے آنکھ مری، نظارہ فروش، تماشا مست

خرقهٔ آن "برزخ لا یبغیان"
دیدمش در نکتهٔ "لی خرقتان"

دینِ او، آئینِ او تفسیرِ کل
در جبینِ او خطِ تقدیرِ کل

عقل را او صاحب اسرار کرد
عشق را او تیغِ جوہردار کرد

کاروانِ شوق را او منزل است
ما ہمہ یک مشتِ خاکیم، او دل است

آشکارا دیدنش 'اسرائے' ماست
در ضمیرش مسجدِ اقصائے ماست

آمد از پیراہنِ او بوئے او
داد ما را نعرۂ اللہ ہو

با دلِ من شوقِ بے پروا چہ کرد!
بادۂ پر زور با مینا چہ کرد!

رقص اندر سینہ از زورِ جنوں
تا ز راہِ دیدہ می آید بروں!

گفت "من جبریلم و نورِ مبیں
پیش ازیں او را ندیدم ایں چنیں"

شعر رومی خواند و خندید و گریست
یارب ایں دیوانۂ فرزانہ کیست!

در حرم با من سخن رندانہ گفت
از مے و مغ زادہ و پیمانہ گفت!

خرقہ پوشِ "برزخِ لا یبغیان"
میں نے پایا نکتۂ "لی خرقتان"

اُس کا آئیں، اس کا دیں تفسیرِ کل
زیبِ پیشانی خطِ تقدیرِ کل

عقل اُس سے صاحبِ اسرار ہے
عشق اس سے تیغِ جوہردار ہے

کاروانِ شوق کی منزل ہے وہ
ہم ہیں مشتِ خاک جس کا دل ہے وہ

اپنا اسریٰ، اُس کا نظارہ عیاں
اپنی "اقصیٰ" اس کے باطن میں نہاں

اُس کے پیراہن سے پھیلی اس کی بو
اُس نے بخشا نعرۂ اللہ ھُو

شوقِ بے پروا نے کیا دل سے کیا
جام سے جو تند صہبا نے کیا

سینے میں اُچھلا کہ با زورِ جنوں
آنکھ کی رہ سے نکل آئے بروں!

بولا "میں جبریل، میں نورِ مبین
پہلے اس کو یوں کبھی دیکھا نہیں!"

شعرِ رومی پڑھ کے رویا، پھر ہنسا
کون وہ دیوانۂ فرزانہ تھا!

یہ حرم میں جرأتِ رندانہ کیا
ذکرِ صہبا و مُغ و پیمانہ کیا!

گفتمش این حرف بیباکانه چیست
لب فروبند این مقامِ خامشی است

من ز خونِ خویش پروردم ترا
صاحبِ آهِ سحر کردم ترا

بازیاب این نکته را ای نکته رس
عشقِ مردان ضبطِ احوال است و بس

گفت عقل و ہوش آزارِ دل است!
مستی و وارفتگی کارِ دل است!

نعره‌ها زد تا فتاد اندر سجود
شعلهٔ آوازِ او بود، او نبود!

☆

میں نے پوچھا کیوں ہے یاں بے باک لب
ہے یہاں خاموش رہنا ہی ادب

میں نے خونِ زندگی تجھ کو دیا
صاحبِ آہِ سحرگاہی کیا

یاد رکھ اس نکتے کو اے نکتہ رس
عاشقی ہے ضبطِ احوال ، اور بس!

بولا عقل و ہوش ہیں آزارِ دل
مستی و دیوانگی ہے کارِ دل !

میں بسجدہ نعرہ زن ہو کر گرا
شعلۂ آواز تھا ، پھر وہ نہ تھا

☆

برمزارِ حضرت احمد شاه بابا علیه الرحمه
مؤسسِ ملّتِ افغانیه

تربتِ آن خسروِ روشن ضمیر
از ضمیرش ملّتے صورت پذیر

گنبدِ او را حرم داند سپهر
با فروغ از طوفِ او سیمائے مهر

مثلِ فاتح آن امیرِ صف شکن
سکّه زد هم باقلیمِ سخن

ملّتے را داد ذوقِ جستجو
قدسیان تسبیح خوان بر خاکِ او

از دل و دستِ گهر ریزے که داشت
سلطنت با بردَ و بے پروا گذاشت

نکته سنج و عارف و شمشیر زن
روحِ پاکش بامن آمد در سخن

گفت می دانم مقامِ تو کجاست
نغمه تو خاکیان را کیمیاست

خشت و سنگ از فیضِ تو دارائے دل
روشن از گفتارِ تو سینائے دل

ملتِ افغانیہ کے بانی حضرت احمد شاہ بابا کے مزار پر

وہ مزارِ خسروِ روشن ضمیر
جس سے اک ملت ہوئی صورت پذیر

اُس کا گنبد ہے حرم نزدِ سپہر
طوف سے تابندہ ہے سیمائے سپہر

مثلِ فاتح وہ امیرِ صف شکن
تھا بہ اقلیمِ سخن بھی سکہ زن

قوم کو بخشا مذاقِ جستجو
اُس کے مرقد پر ملک تسبیح گو

تھے یہ اس کے دست و دل کے معجزے
کتنے کشور لے کے اس نے دے دیے

نکتہ سنج و عارف و شمشیر زن
روحِ پاک اُس کی تھی مجھ سے ہم سخن

بولی، ہے معلوم تیرا مرتبا
خاکیوں کو تیرا نغمہ کیمیا ۲۳

تجھ سے سنگ و خشت میں غوغائے دل
صد تجلّی خیز ہر سینائے دل

پیشِ ما اے آشنائے کوئے دوست
یک نفس بنشیں کہ داری بوئے دوست

اے خوش آں کو از خوری آئینہ ساخت
وندراں آئینہ عالم را شناخت

پیر گردید ایں زمین و ایں سپہر
ماہ کور از کور چشمی ہائے مہر

گرمیٔ ہنگامۂ می بایدش
تا نخستیں رنگ و بو باز آیدش

بندۂ مومن سرافیلی کند
بانگِ او ہر کہنہ را برہم زند

اے ترا حق داد جانِ ناشکیب
تو ز سرِّ ملک و دیں داری نصیب

فاش گو با پورِ نادر فاش گوے
باطنِ خود را بہ ظاہر فاش گوے

☆

پاس اے آشنائے کوے دوست!
بیٹھ جا کچھ دم، ہے تجھ میں بوے دوست

رکھ کر آئینہ خودی کا اپنے پاس
خود ہو اس آئینے سے عالم شناس

ہوگئی بوڑھی زمیں، بوڑھا سپہر
ساہ کور، اے واے بے مہری سپہر

گرمیٔ ہنگامہ ہے درکار اسے
تاکہ پھر سے رنگ و بو پیدا کرے

بندے کو دے شان اسرافیل کی
تاکہ ہو معدوم یکسر کہنگی

حق نے بخشی تجھ کو جانِ بے قرار
رازِ ملک و دیں کا تو ہے مایہ دار

ہاں بتا فرزندِ نادر کو بتا
رازِ باطن اپنا ظاہر کو بتا

خطاب به پادشاهِ اسلام اعلیٰحضرت ظاہر شاه

اَیّدہُ اللّٰہ بِنصرہٖ

اے قبائے پادشاہی بر تو راست
سایۂ تو خاکِ ما را کیمیاست

خسروی را از وجودِ تو عیار
سطوتِ تو ملک و دولت را حصار

از تو اے سرمایۂ فتح و ظفر
تختِ احمدؒ شاہ را شانے دگر

سینہ ہا بے مہرِ تو ویرانہ بہ
از دل و از آرزو بیگانہ بہ

آبگون تیغے کہ داری در کمر
نیم شب از تابِ او گردد سحر

نیک می دانم کہ تیغِ نادر است
من چہ گویم باطنِ او ظاہر است

حرفِ شوق آوردہ ام ، از من پذیر
از فقیرے رمزِ سلطانی بگیر

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

بادشاہ اسلام اعلیٰحضرت ظاہر شاہ

اَیّدَہ اللہُ بِنَصرِہ سے خطاب

اے کہ موزوں تجھ کو شاہی کی قبا
خاکیوں کو تیرا سایہ کیمیا

بادشاہی کا ہے تجھ سے اعتبار
تیری سطوت ملک و دولت کا حصار

تجھ سے اے سرمایۂ فتح و ظفر
تختِ احمد شاہ کا ہے کرّوفر

سینۂ بے مہر سے ویرانہ خوب
دل سے خالی آرزو بیگانہ خوب

تیغِ رخشندہ تری زیبِ کمر
ہے اندھیری رات میں مثلِ سحر

تیغِ نادر ہے ، یہ ہے مجھ کو خبر
اور باطن اس کا ظاہر سربسر

یہ حدیثِ شوق کر مجھ سے قبول
رمزِ شاہی کر فقیروں سے حصول

اے نگاہِ تو ز شاہین تیز تر
گردِ این ملکِ خدا دادے نگر

این کہ می بینیم از تقدیر کیست؟
چیست آن چیزے کہ می بایست و نیست

روز و شب آئینۂ تدبیرِ ماست
روز و شب آئینۂ تقدیرِ ماست

با تو گویم اے جوانِ سخت کوش
چیست فردا؟ دخترِ امروز و دوش!

ہر کہ خود را صاحبِ امروز کرد
گردِ او گردد سپہرِ گرد گرد

او جہانِ رنگ و بو را آبروست
دوش ازو، امروز ازو، فردا ازوست!

مردِ حق سرمایۂ روز و شب است
زان کہ او تقدیرِ خود را کوکب است

بندۂ صاحب نظر پیرِ اُمم
چشمِ او بینائے تقدیرِ اُمم

از نگاہش تیز تر شمشیر نیست
ما ہمہ نخچیر، او نخچیر نیست!

لرزد از اندیشۂ آن پختہ کار
حادثات اندر بطونِ روزگار

چون پدر اہلِ ہنر را دوست دار
بندۂ صاحب نظر را دوست دار

ہے نگہ شاہیں سے تیری تیز تر
کر دیارِ دادۂ حق پر نظر

عظمتیں یہ کس کی قسمت سے ملیں
کونسی درکار تھی شے جو نہیں

روز و شب آئینۂ تدبیر بھی
روز و شب آئینۂ تقدیر بھی

میں بتاؤں اے جوانِ سخت کوش
کیا ہے فردا ؟ دخترِ امروز و دوش

وہ جو خود کو آج کا مالک بنائے
گرد اُس کے آسماں چکر لگائے

بن جہانِ رنگ و بو کا اعتبار
دوش ، امروز اور فردا پر سوار

مردِ حق سرمایہ روز و شب کا ہے
مالک اپنے بخت کے کوکب کا ہے

بندۂ صاحب نظر ، پیرِ اُمم
دیدہ ور ، بینائے تقدیرِ اُمم

اُس کی نظریں مثلِ خنجر دھار دار
ہم شکار اُس کے ، نہیں ہے وہ شکار

پختہ کار ایسا کہ فرطِ خوف سے
بطنِ عالم میں ہوں ترساں حادثے

با ہنر کا دوست بن مثلِ پدر
دوست دارِ صحبتِ اہلِ نظر

همچون آن خلد آشیان بیدار زی
سخت کوش و پُردم و کرّار زی

می شناسی معنیٔ کرّار چیست؟
این مقامی از مقاماتِ علی(رض) است

اُمتان را در جهانِ بی ثبات
نیست ممکن جز بکرّاری حیات

سرگذشتِ آل عثمان را نگر
از فریبِ غربیان خونین جگر

تا ز کرّاری نصیبی داشتند
در جهان دیگر علم افراشتند

مسلم هندی چرا میدان گذاشت؟
همتِ او بوئے کرّاری نداشت!

مشت خاکش آنچنان گردیده سرد
گرمیِ آوازِ من کارے نکرد!

ذکر و فکرِ نادری در خونِ تست
قاهری با دلبری در خونِ تست

اے فروغِ دیدهٔ برنا و پیر
سرِّ کار از هاشم و محمود گیر

هم ازان مردے که اندر کوه و دشت
حق ز تیغِ او بلند آوازه گشت

روزها شب ها تپیدن می توان
عصرِ دیگر آفریدن می توان

دیدہ ور مثلِ شہِ خلد آشیاں
سخت کوش و پُر دَم و کرار جاں

جانتے ہو کس کا کرّاری ہے نام ؟
ہے مقاماتِ علیؓ سے اک مقام !

اُمتوں کو در جہانِ حادثات
جز بہ کرّاری نہیں ممکن ثبات

سرگزشتِ آلِ عثمانؓ الاماں !
حیلۂ افرنگ سے آتش بجاں

تھے وہ کرّاری سے جب تک بہرہ مند
اُن کا پرچم تھا زمانے سے بلند

مسلمِ ہندی کو ناکامی رہی
کیونکہ اس میں شانِ کرّاری نہ تھی

زیرِ مشتِ خاک شعلہ سرد تھا
کرتی میری گرمیٔ آواز کیا ؟

تو امینِ ذکر و فکرِ نادری
سایہ دارِ قاہری و دلبری

اے فروغِ دیدۂ پیر و جواں
ہاشم و محمود سے لے درسِ جاں

اور اُس سے بھی کہ حق کا غلغلا
جس نے اپنی تیغ سے برپا کیا

روز و شب ہم رہ کے آتش زیرپا
عصرِ تازہ کی ہیں رکھ سکتے بنا

صد جهان باقی است در قرآن هنوز
اندر آیاتش یکی خود را بسوز

باز افغان را ازان سوزی بده
عصر او را صبح نوروزی بده

ملتی گم گشتهٔ کوه و کمر
از جبینش دیده ام چیزی دگر

زانکه بود اندر دل من سوز و درد
حق ز تقدیرش مرا آگاه کرد

کاروبارش را نکو سنجیده ام
آنچه پنهان است، پیدا دیده ام

مرد میدان زنده از الله هو ست
زیر پای او جهان چار سو ست !

بندهٔ کو دل بغیرالله نه بست
می توان سنگ از زجاج او شکست

او نگنجد در جهان چون و چند
همت ساحل باین دریا مبند

چون ز روی خویش برگیرد حجاب
او حساب است او ثواب است او عذاب

برگ و ساز ما کتاب و حکمت است
این دو قوت اعتبار ملت است

آن فتوحات جهان ذوق و شوق
این فتوحات جهان تحت و فوق

ہیں ابھی قرآں میں پنہاں صد جہاں
کر لے اس کی آیتوں کو سوزِ جاں

جائے ہر افغان کو لگ اس کی لو
عصر سے پھر جلوہ گر ہو صبحِ نو

ملّتِ سرگشتۂ کوہ و کمر
پائے میں نے اس میں آثارِ دگر

میرے دل میں بسکہ تھا سوزِ نہاں
حق نے تقدیر اُس کی مجھ پر کی عیاں

میں نے دیکھا خوب اس کا کاروبار
جو بھی پنہاں تھا ، ہوا وہ آشکار

مردِ میداں سرخوشِ اللہ ھُو
اُس کے قدموں میں جہانِ چارسُو

جو نہ غیراللہ سے رکھے احتیاج
کیوں نہ ہو خارا شگاف اُس کا زجاج

جو نہ ہو وقفِ جہانِ چون و چند
ایسا دریا کب رہے ساحل میں بند

پاؤ گے اُس کو برافگندہ نقاب
خود حساب و خود ثواب و خود عذاب

ہے کتاب و حکمت اُن کا برگ و بار
یہ دو قوت اہلِ ملّت کا وقار

وہ فتوحاتِ جہانِ ذوق و شوق
یہ فتوحاتِ جہانِ تحت و فوق

ہر دو انعام خدائے لایزال
مومناں را آں جمال است ، ایں جلال!

حکمت اشیا فرنگی زاد نیست
اصلِ او جز لذتِ ایجاد نیست

نیک اگر بینی مسلماں زاده است
ایں گہر از دستِ ما افتاده است

چوں عرب اندر اروپا پر کشاد
علم و حکمت را بنا دیگر نہاد

دانہ آں صحرانشیناں کاشتند
حاصلش افرنگیاں برداشتند

ایں پری از شیشۂ اسلافِ ماست
باز صیدش کن کہ او از قافِ ماست

لیکن از تہذیبِ لا دینے گریز
زاں کہ او با اہلِ حق دارد ستیز

فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد
لات و عزیٰ در حرم باز آورد

از فسونش دیدۂ دل نابصیر
روح از بے آبیٔ او تشنہ میر!

لذّتِ بے تابی از دل می برد
بلکہ دل زیں پیکرِ گل می برد

کہنہ دزدے غارتِ او برملاست
لالہ می نالد کہ داغِ من کجاست

دونوں انعامِ خدائے لایزال
وہ جمالِ اہلِ ایماں ، یہ جلال

حکمتِ اشیا ہے کسب افرنگ زاد
لذتِ ایجاد ہے اس کی نہاد

در حقیقت یہ مسلماں زادہ ہے
یہ گہر اپنا ز دست اُفتادہ ہے

جب عرب مغرب میں آیا پرکشا
از سرِ نو رکھی حکمت کی بنا

دانہ بونے والے تھے صحرا نشیں
ہوگیا افرنگ اُن کا خوشہ چیں

یہ پری ہے شیشۂ اسلاف کی
صید کر پھر ، ہے یہ اپنے قاف کی

دور رہ ، تہذیبِ لادینی سے دور
کیونکہ یہ اربابِ حق سے ہے نفور

ہرِ فتنہ کر رہا ہے فتنہ گر
لات و عزیٰ کو حرم میں جلوہ گر

چشمِ دل اُس کے فسوں سے نابصیر
جان بے آبی کے باعث تشنہ میر

لذتِ بے تابیٔ دل لے گیا
بلکہ دل ہی کر دیا تن سے جدا

دزدِ کہنہ اُس کی چوری پر ملا
لالہ گریاں ، داغ میرا کیا ہوا

حق نصیب تو کند ذوقِ حضور
باز گویم آنچه گفتم در زبور

"مردن و ہم زیستن اے نکتہ رس
ایں ہمہ از اعتبارات است و بس

مردِ کر سوز نوا را مردہ
لذتِ صوت و صدا را مردہ

پیشِ چنگے مست و مسرور است کور
پیشِ رنگے زندہ در گور است کور

روح با حق زندہ و پایندہ است
ورنہ ایں را مردہ ، آں را زندہ است

آنکہ حیّ لَا یَمُوت آمد حق است
زیستن با حق حیاتِ مطلق است

ہر کہ بے حق زیست جز مردار نیست
گرچہ کس در ماتمِ او زار نیست"

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات

می دہد ما را پیامِ لَاتَخَفُ
می رساند بر مقامِ لَاتَخَفُ

قوّت سلطان و میر از لَا الٰہ
ہیبتِ مردِ فقیر از لَا الٰہ

حق عطا تجھ کو کرے ذوقِ حضور
سن ذرا پھر چند ابیات "زبور"

کیا ہے مرگ و زیست اے نکتہ شناس؟
ہیں فقط یہ اعتبارات حواس

مردِ کر ہے مردۂ سوزِ نوا
بے نیازِ لذتِ صوت و صدا

کور مسرورِ صدائے چنگ ہے
زندۂ در کور پیشِ رنگ ہے

روحِ حق سے زندہ و پایندہ ہے
ورنہ تجھ کو مردہ، مجھ کو زندہ ہے

حق ہے حیّ لایموت و باثبات
ساتھ حق کے زندگی اصلِ حیات

زندگی بے حق سراسر مردہ جاں
گو نہیں اس پر کوئی ماتم کناں

بہرہ لے قرآں سے، گر چاہے ثبات
اُس کے اندر ہے نہاں آبِ حیات

ہم کو دیتا ہے پیامِ لا تخف
اس کی منزل ہے مقامِ لا تخف

لاَ اِلٰہ ہے قوّتِ سلطان و میر
مضمر اُس میں ہیبتِ مردِ فقیر

تا دو تیغِ لا و الّا داشتیم
ماسوَی اللّٰہ را نشاں نگذاشتیم!

خاوراں از شعلۂ من روشن است
اے خنک مردے کہ در عصرِ من است

از تب و تابم نصیبِ خود بگیر
بعد ازیں ناید چو من مردِ فقیر!

گوہرِ دریائے قرآں سفتہ ام
شرحِ رمزِ صبغۃ اللّٰہ گفتہ ام

با مسلماناں غمے بخشیدہ ام
کہنہ شاخے را نمے بخشیدہ ام

عشقِ من از زندگی دارد سراغ
عقل از صہبائے من روشن ایاغ

نکتہ ہائے خاطر افروزے کہ گفت؟
با مسلماں حرفِ پرسوزے کہ گفت؟

ہمچو نے نالیدم اندر کوہ و دشت
تا مقامِ خویش بر من فاش گشت

حرفِ شوق آموختم ، واسوختم
آتشِ افسردہ باز افروختم!

با من آہِ صبحگاہے دادہ اند
سطوتِ کوہے بکاہے دادہ اند

جب تھے تیغِ لا و الّا کے امیں
ماسوا اللہ کا نشاں چھوڑا نہیں

میرے شعلے سے ہے روشن خاوراں
مرحبا اے صاحبِ عصرِ رواں !

میری تاب و تب سے ہو بہرہ پذیر
بعد میرے پھر کہاں مردِ فقیر

گوہرِ قرآں کی جانو یہ لڑی
شرحِ رمزِ صبغۃ اللہ میں نے کی

بخش کر اسلامیوں کو اشکِ غم
شاخِ کہنہ کو کیا سیرابِ نم

عشق میں ہے زندگانی کا سراغ
عقل صہبا سے مری روشن ایاغ

کس نے یہ نکتے بتائے جاں فروز ؟
کس نے بخشا اہلِ ایماں کو یہ سوز ؟

کوہ و صحرا میں مری گونجی صدا
تب چلا اپنی حقیقت کا پتہ

میں نے سوزِ شوق سے آگہ کیا
شعلۂ افسردہ پھر بھڑکا دیا

مجھ کو آہ صبحگاہی مل گئی
مل گئی تنکے کو سطوت کوہ کی

دارم اندر سینه نورِ لاَ اِلٰه
در شرابِ من سرورِ لاَ اِلٰه

فکرِ من گردون سیر از فیض اوست
جوی ساحل ناپذیر از فیضِ اوست

پس بگیر از بادهٔ من یک دو جام
تا درخشی مثلِ تیغِ بی نیام!

☆

میرے سینے میں ہے نورِ لا الٰہ
میری صہبا میں سرورِ لا الٰہ

فکر اُس کے دم سے ہے گردوں مسیر
ہو گیا میں جوئے ساحل ناپذیر

لے خمستاں سے مرے دو ایک جام
تا کہ چمکے مثلِ تیغِ بے نیام

☆